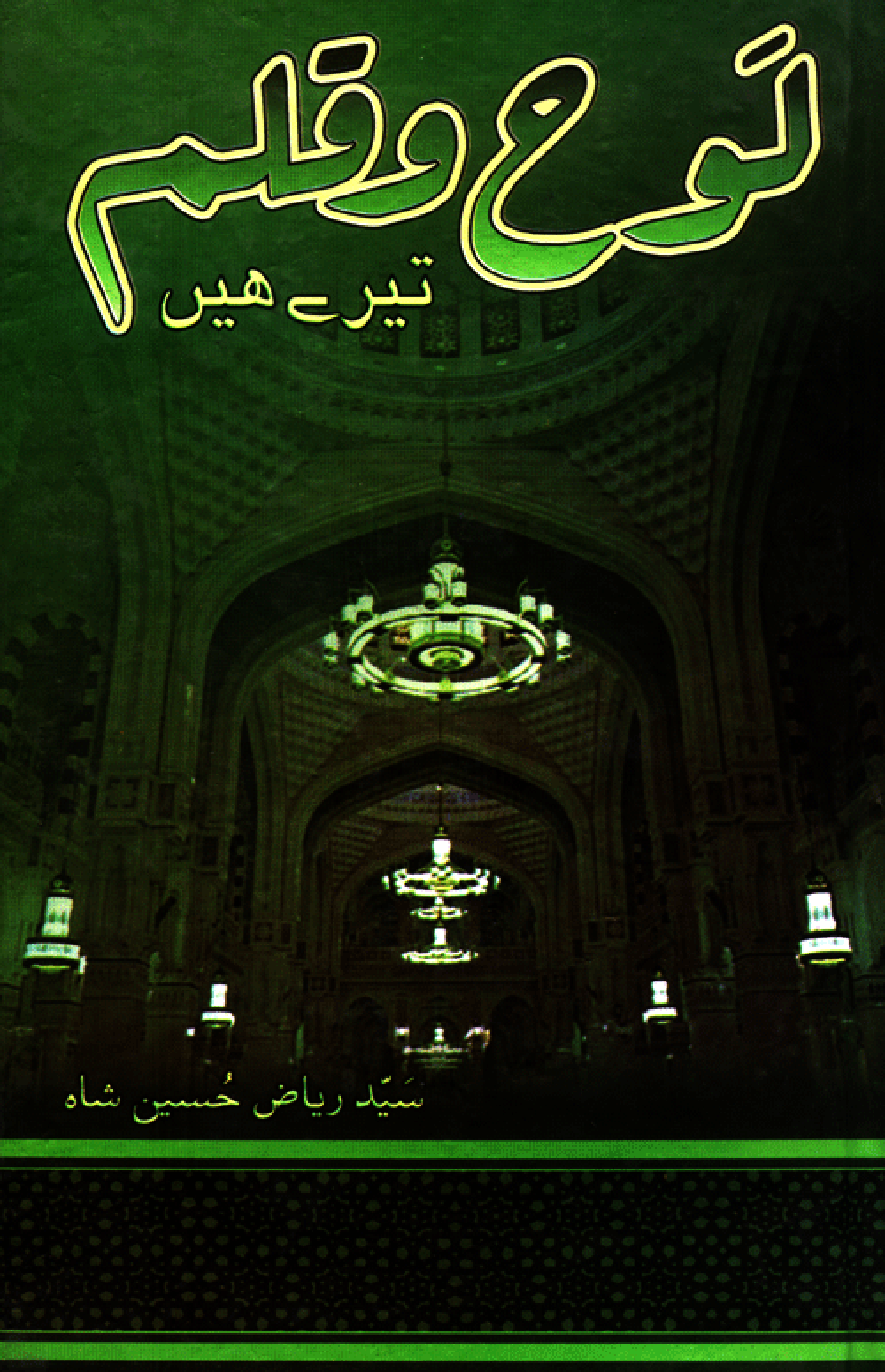

لوح و قلم

تیرے ہیں

سیّد ریاض حُسین شاہ

لوح و قلم تیرے ہیں

سید ریاض حسین شاہ

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ
خیابانِ سرسیّد، سیکٹر III، راولپنڈی فون: 051-4831112

بنیادی عقیدہ

☆ اللہ ہمارا رب ہے اور منزہ عن العیوب ہے۔

☆ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور معصوم عن الخطا ہیں۔

☆ قرآن مجید اللہ کی کتاب، ہمارا ضابطہ حیات اور بے عیب کلام ہے۔

انسان خطاؤں اور لغزشوں کا پتلا ہے، اس حیثیت سے بہر حال یہ امکان ہوتا ہے کہ وہ لکھتے ہوئے پھسل جائے۔ دورانِ مطالعہ اگر آپ اشارۃً یا صراحۃً کسی بھی انداز میں ہمارے درج بالا بنیادی عقائد کو مجروح ہوتا ہوا پائیں تو اس کو ہماری ذاتی کمزوری متصور کرتے ہوئے قلم زد کر دیں۔ ہم اپنی عزت، مقام اور جھوٹی انا کے مقابلے میں ایمان کو بہر صورت ترجیح دیتے ہیں۔

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب: لوح و قلم تیرے ہیں
تصنیف: سید ریاض حسین شاہ
طبع چہارم:
قیمت:
ناشر: ادارہ تعلیمات اسلامیہ پاکستان
خیابانِ سرسید سیکٹر III، راولپنڈی۔ فون: 051-4831112

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	دے رہی ہے زندگی ہر دم صدا	۴	۱۴	امام احمد رضا، ایک شخص، ایک تحریک	۱۱۱
۲	بُرا نہ مان میری تند و تیز باتوں کا	۷	۱۵	تقدیمات	۱۲۳
۳	جاتا ہے جدھر بندۂ حق تو بھی ادھر جا	۱۵	۱۶	تقدیم	۱۲۴
۴	جماعت کی خواہش یہی ہے کہ	۲۲	۱۷	سبب تالیف	۱۳۴
۵	کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی	۲۷	۱۸	کلمات تقدیم	۱۴۱
۶	ناتوانوں کے نوالوں پہ جھپٹتے ہیں عقاب	۳۵	۱۹	اظہار خیال	۱۵۱
۷	کوک فریدا کوک توں	۴۱	۲۰	حسن نظر	۱۵۴
۸	کہو بنام مصطفیٰ ﷺ	۴۹	۲۱	تقدیم	۱۵۷
۹	اپنے مسلک کا پاسباں ہو جا	۶۰	۲۲	پیکر اعجاز	۱۶۸
۱۰	مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام	۷۴	۲۳	حرف اعزاز	۱۷۲
۱۱	آؤ سب مل کر کرسی توڑ دیں	۸۹	۲۴	مقدمہ	۱۷۵
۱۲	ہم کہاں کھڑے ہیں	۹۶	۲۵	حسن تصدیق	۱۷۸
۱۳	اعلیٰ حضرت کا منہج انقلاب	۱۰۳	۲۶	حسن تصدیق	۱۸۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دے رہی ہے زندگی ہر دم صدا

عصر جدید کروٹوں پر کروٹیں بدلتا ہر لحظہ اور ہر گھڑی کے ساتھ عجب عجب انقلابات باندھتا چلا جا رہا ہے اور لمحوں کی برسات میں حضرت انسان تلخ امتحانات میں الجھتا جا رہا ہے۔ ایسے ''امتحانات'' جو انسانی شعور اور آگہی کے لئے نکھار بھی ثابت ہو سکتے ہیں اور عقل وخرد کی ناکامیوں کی تاریخ بھی بن سکتے ہیں۔ امتحان حیات کی لوح سوالات پر سب سے گہرے نقوش ملت اسلامیہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، انہیں انسانی ذہنوں سے ابھرنے والے شبہات کے عملی جوابات بھی دینے ہیں اور بہت سے تاریخی فیصلے بھی کرنے ہیں، اگر انہوں نے ریڈیائی رفتار کی سرعت کے ساتھ اپنے فیصلوں کا رخ نہ پھیرا تو افق ان کے نام کی تاریخ کا بوجھ اٹھانے کا متحمل نہ ہو سکے گا۔

یہ ٹھیک ہے کہ زندگی مسائل کی حسرتیں اور کلفتیں بکھیر رہی ہے اور وقت کا تقاضا ہے کہ اسلامی ذہن رکھنے والے لوگ مشاہدۂ کائنات کے لئے کمپیوٹر کا رول ادا کریں لیکن کمپیوٹر کے صحیح عمل کے لئے جیسے برقی لہروں کا ہونا ضروری ہوتا ہے اسی طرح درست فیصلوں، صحت مند اعمال اور نتیجہ خیزی کے لئے ضروری ہے کہ جمیع انسان الہامی قیادت کا عرفان حاصل کریں جب تک ایسی ہی عظیم قیادت کے در نور پر کاروان انسانیت حاضری نہیں دیتا مسائل کی دیوانگیاں ذوق بہاراں کا کلیجہ فگار نہیں کر سکتیں اور فطرت خود آسمان پر زلف خم دار کی طرح لرزنے والی بجلیوں۔۔۔۔۔ موتی اگلنے والے لب تابدار کی طرح گنگنانے والی آبشاروں۔۔۔۔۔ نشہ صہبا کی طرح مستی بانٹنے والی راتوں۔۔۔۔۔ تیغ تغافل کی طرح چلنے والے طوفانوں۔۔۔۔۔ نگاہ

مستاں کی طرح افق سے جھانکنے والی صبحوں۔۔۔۔۔ دردِ دل کی طرح کائنات میں پیوست ہو جانے والی شہابی اور ماہتابی کرنوں کی قسم اٹھا کر کہتی ہے کہ:

انسانو!

تمہارے قائد، تمہارے رہنما، تمہارے رہبر، عبداللہ کے لختِ جگر۔۔۔۔۔ آمنہ کی آنکھ کے تارے محمد ﷺ ہیں۔

آؤ مل کر فیصلہ کریں
زندہ ضمیر کا فیصلہ
جاگتی روح کا فیصلہ
خوابیدہ نفس کا فیصلہ
جذبوں کا فیصلہ، ارادوں کا فیصلہ اور ولولوں کا فیصلہ
شعور کا فیصلہ، آگہی کا فیصلہ اور تازہ امنگوں کا فیصلہ
محبت کا فیصلہ، لگن کا فیصلہ اور جنونِ خرد آگاہ کا فیصلہ
فنا کا فیصلہ، بقا کا فیصلہ اور عشقِ جاں سوز کا فیصلہ
سوچیں بھی کہتی ہیں
تجربہ بھی بولتا ہے
تاریخ بھی بتلاتی ہے
وحی بھی سکھلاتی ہے
کہ انسانو!

محمد ﷺ تم سب کے قائد ہیں۔۔۔۔۔ ان کی ذات رحمت، راحت اور امن و سلامتی کا اعلان ہے۔

وجہ تخلیقِ کائنات مصطفیٰ کریم ﷺ نے غمزدہ انسانوں کے چہروں پر خوشیوں کا نور بکھیرا تھا۔۔۔۔۔ یہ ماہ اپنی آمد کے ساتھ جو رونقیں بانٹتا ہے انہیں ربیع الاول کے دنوں اور راتوں میں

ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

نعتوں کے زمزمے۔۔۔۔۔خوش مقالیوں کے رحمت فروغ جلے۔۔۔۔۔محفلوں کی نور افروزیاں۔۔۔۔۔خوبصورت جھنڈیوں اور ابرق کے تاروں سے جھلمل جھلمل کرتا ماحول۔۔۔۔۔منقش کپڑوں اور بیل بوٹوں سے آراستہ سڑکوں پر بنائی گئی محرابیں۔۔۔۔۔عمارتوں اور پیشانیوں کو حسن چراغاں سے مزین کرنے کے اہتمام۔۔۔۔۔دلکش پھولوں کی ہار آرائیاں۔۔۔۔۔جاذب نظر بینرز کی راہ گیریاں۔۔۔۔۔کیف وسرور میں ڈوبے ہوئے گیت۔۔۔۔۔خوانچہ فروشوں سے لے کر شاہوں بادشاہوں تک میں محبتوں کا جوش وخروش۔۔۔۔۔چہچہاتے پرندے۔۔۔۔۔رقص کرتی فضائیں۔۔۔۔۔آنکھیں بچھاتے فرشتے۔۔۔۔۔ قائد انسانیت رسول اکرم ﷺ سے محبت، پیشوائے انسانیت نبی مکرم ﷺ کی اطاعت‘ مقتدائے انسانیت احمد مجتبیٰ ﷺ کی غلامی زندگی کا اصل ہدف ہے۔

آپ موضوع حیات ہیں۔
آپ کی فکر عنوان نجات ہے۔
آپ سے وابستگی حسین منزل ہے اور آپ سے پیوستگی منزل حسن وآہنگ ہے۔

کاروان انسانیت آج جس مقدس مہینہ میں سانسوں کی آمدورفت سے زندگی کے لفظوں سے، معنوں کی حقیقت کشید کر رہا ہے وہ ربیع الاول ہے۔۔۔۔۔اس ماہ کی نور نواز ساعتوں میں سب ہی نبی محترم ﷺ کی محبت میں ڈوبے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

آؤ!

اس ربیع الاول کی اس عظیم نعمت پر اپنے خدا کا شکر بجالائیں، یقیناً بجالانے کا بہترین طریقہ ایمان وعمل ہے۔ اللہ کرے زندگی حسن اعتقاد اور حسن سیرت کے نور سے جگمگا اٹھے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برا نہ مان میری تند و تیز باتوں کا

مادیت کی چھاتی پر پلنے والے انسان کو ہمارا بے رحم دور، درماندہ احساس جھنجھوں کی صدائے خود فراموش سے مسحور کرنے کی ناکام کوشش میں لگا ہوا ہے۔ مجبوریوں کے سنسان صحراؤں میں راہرو، رہزنی کے گر سیکھنے میں مشغول ہیں۔ بلندیوں کے آکاش پر آشیاں بندیاں کرنے والے، فسق و فجور کی دلدل سے کیڑے چُن رہے ہیں۔ موقع پروری کا غبار دیدۂ محبت سے بینائی چھیننے کے لئے سرکشیاں دکھا رہا ہے۔ نیکیوں کے نور سے بنائی ہوئی حسن مآب وادیوں کی مانگ نفس پرستیوں کے ہاتھوں بے آبرو ہو کر اجڑ رہی ہے۔ غریب پروری کی زمین خشک اور پیاسی پڑی ہے۔ وہ لوگ جن کے دم قدم سے زندگی کے افسردہ چمن لہلہایا کرتے تھے، دور بہت دور جا چکے ہیں، لگتا ہے قیامت بپا ہو گئی ہے۔ مردے ساری دنیا میں آ کر آباد ہو چکے ہیں اور یہاں کے زندہ انسان کہیں اپنی جنت کسی اور جہاں میں آراستہ کر چکے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ”جو رحم کرتا نہیں اس پر رحم کیا نہیں جاتا جو کسی کے غم میں روتا نہیں اس کے غموں پر کوئی نہیں روتا، جو کسی کے درد میں جلتا نہیں اس کے درد میں کوئی غمگسار نہیں ہوتا“۔ کانٹوں سے کبھی پھول نہیں اُگا کرتے اور پھول کی پتیاں کبھی خوئے خاری نہیں کرتیں۔

آج کا انسان اگرچہ سائنس کے دور سے گزر رہا ہے جہاں ذروں کے کلیجے چیرے جاتے ہیں، فضاؤں کو گرد راہ بنایا جاتا ہے، افلاک کو زیر کمند لانے کے اہتمام کئے جاتے ہیں، ستارے نقش پا بنائے جاتے ہیں اور مہر و ماہ ایڑیوں کی قوسوں پر قربان کئے جاتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود ایک عالم ایسا بھی ہے، ایک مخلوق یوں بھی زندگی بسر کر رہی ہے، کچھ سانسوں کی

رسیوں میں جکڑے ہوئے پنجر اس طرح بھی رہ رہے ہیں کہ ان کا سب کچھ تاریک ہے، ہر شے سیاہی میں ڈوبی ہوئی ہے، ان کی صبحیں بھی شامیں ہیں اور ان کے دن بھی کالی راتیں ہیں۔ انہیں دیکھنے والے بھی پہچاننے سے انکاری رہتے ہیں۔ ان کی باتیں سننے والے بھی ان کی فریاد کو مکروہ آوازوں سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ ان کا اپنا کچھ نہیں، وہ روئیں تو ان کے آنسو جرم سمجھے جاتے ہیں، وہ ہنسیں تو ان کے قہقہے گناہ قرار دیئے جاتے ہیں، وہ سوئیں تو ان کے خراٹے غفلت کا نشہ متصور ہوتے ہیں، وہ جاگیں تو ان کی انگڑائیاں سستی خیال کی جاتی ہیں، وہ محنت کریں تو ان کے ماتھے کا پسینہ بے قیمت رہتا ہے اور وہ کاروبار کی طرف بڑھیں تو ان کے احوال کی درماندگیاں چاہنے والوں میں بھی پشیمانیاں بانٹتی پھرتی ہیں۔

یہ کون لوگ ہیں؟ یہ کیسی مخلوق ہے؟ یہ کیسے ذی روح ہیں؟ اور یہ کہاں بستے ہیں؟

کسی جنگل میں جانے کی ضرورت نہیں

کوئی صحرا آبلہ پائی کا تقاضا نہیں کرتا

کوئی وادی شوق راہ نوردی کو جنم نہیں دیتی

کہیں خاراشگافی کی محنت درکار نہیں

انہیں دیکھنے کے لئے کسی طیارے، کسی اپالو، کسی خلائی جہاز کی ضرورت نہیں۔

نہ دوربین

نہ تیزبین

نہ زربین

نہ زیربین

نہ زبربین

اور نہ خوردبین

نہ کلاں بین

انہیں دیکھنا چاہو تو فقط خوف خدا کی ضرورت ہے۔ خشیت الٰہی کا سرمہ ہی نگاہوں میں وہ بینائی پیدا کر دیتا ہے جس سے تم غریب شہر۔۔۔۔۔ فقیر راہ۔۔۔۔۔ یتیم بے پدر۔۔۔۔۔ اور مسکین بے مادر دیکھ سکتے ہو۔

کسی ہسپتال کے شکستہ بستر پر

کسی گاڑی کی بے حال نشست پر

کسی کارخانے کی آتش صحت سوز میں

کسی کھیت کی خاک نفس دوز میں

کسی جاگیردار کے عقوبت خانے میں

کسی زمیندار کے انسان فراموش مے خانے میں

کچی بستیوں میں، ناپختہ مکانوں میں

ظلم کدوں میں، تھانوں میں

ویرانوں میں، زندانوں میں

بے مایہ دیہاتوں میں اور یتیم خانوں میں

ٹاٹ مدرسوں میں اور بے چھت اداروں میں

سائیکل کی سخت زینوں پر

یکوں کی کرخت سیٹوں پر

سرما کی مہلک ہواؤں میں

گرما کی برقی رووں میں

یہ بے چارہ مفلس و غریب ہے۔۔۔۔۔ اس کا جرم فقط اتنا ہے کہ اس کی جیب میں کھنکتے سکے نہیں۔۔۔۔۔ اس کے کشکول طلب نے اسے معاشرے میں بے وقعت بنا دیا ہے۔۔۔۔۔ حالانکہ اس کے خون سے فلک بوس عمارتوں کا تہور ہے۔۔۔۔۔ رفیع الشان محلات کی

زینت ہے۔۔۔۔۔۔ روح پرور باغات کی شادابی ہے۔۔۔۔۔۔ حکم وحکومت کا نشہ ہے۔

اس کی ہڈیوں پر زندگی کا ساز بجانے والو اس پر رحم کھاؤ
اس کے کاسہ میں بھرے خون کے سوداگرو اس پر ترس کھاؤ
اس کی طاقت سے تعمیر کائنات کرنے والو اس کا حق دو
اس کے ذہن سے فلسفہ حقیقت تک رسائی کرنے والو
یہ بھی کچھ مانگتا ہے

ہو نہ ہو
گلابوں کی سرخی
چنبیلی کی مہک
لالوں کی رت
گلوں کا بانکپن اس کے دم قدم سے ہو
اس کو ناراض کرنے والو!
اس کے حقوق ہڑپ کرنے والو!
اس کو جھڑکیوں کی خوراک دینے والو!
یہ جب تڑپتا ہے تو عرش الٰہی لرز اٹھتا ہے
بچ جاؤ اس گھڑی سے
جب کسی غریب کی آہ سرد دوزخ کو تمہاری تعیش کی دہلیز پر کھینچ لائے اور پھر تم جل کر بھسم ہو جاؤ۔

ارض خدا پر بسنے والے تہی دامن غریبو!
تمہاری بھلائی کے لئے بہت کچھ کیا جاتا ہے۔
زکوٰۃ کونسل

عشر کمیٹی

بیت المال

ویلفیئر سوسائٹی

خدمت مرکز

غریب خانے

لنگر خانے

اور دار الامان، فلاح اور صلاح

ان کے سینکڑوں قائدے ہوں گے لیکن فنکارانہ خدمات کے ہزار پیچیدہ مفہومات تمہارے مسائل کا اس وقت تک حل نہیں بن سکتے جب تک ”حقوق“ کا متوازن تعین نہ ہو۔ دولت کی مساوی تقسیم کا عادلانہ نظام سبوتاژ کر کے متذکرہ ادارے روتے ہوئے بچوں کے لئے چند ٹافیوں کے اہتمام سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ تمہارے ان گنت دردوں پر فرضی اہتمامات کی یہ ہلکی مسکراہٹیں کسی بیمہ ایجنٹ کے خود ساختہ تبسم سے مختلف نہیں۔

تمہاری اصل ضرورت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

ان کا قرآن ہے۔۔۔۔۔ ان کا نظام ہے۔۔۔۔۔ ان کی باتیں ہیں۔۔۔۔۔ ان کی حکمتیں ہیں۔۔۔۔۔ اور ان ہی کی عطاؤں سے انسانیت جگمگا سکتی ہے۔۔۔۔۔ ذرے آفتاب بن سکتے ہیں اور بے اطمینانی کی آگ سے کھولتے سینے چین اور آرام پا سکتے ہیں۔

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا

مگر

تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

یہ رسول رحمت ہیں جن کی صدائے انقلاب تمہارے دن پھیر سکتی ہے۔۔۔۔۔ یہی وہ سردار

ہیں جن کے گھر کئی کئی دن تک چولہا نہیں جلا۔ یہی وہ قائد ہیں جنہوں نے فاقوں پر فاقے کاٹے ہیں۔۔۔۔ یہی وہ امیر ہیں جنہوں نے مفلسی کا دور دیکھا ہے۔۔۔۔ انہی کا نظام اپنانے سے معدوں کی کھرچن، عسرت و ناداری اور فقر و فاقہ کی بدحالیاں خوشحالیوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔

لوگو! ادھر سے کٹو گے تو یاد رکھنا مادہ کا تعویذ گلے میں آویزاں رکھنے والے تمہیں انسان نہیں سمجھیں گے، وہ تمہیں مشین کا پرزہ تصور کریں گے، تمہاری صلاحیتوں کا گوہر لوٹ کر۔۔۔۔ تمہاری اہلیتوں کے موتی چرا کر۔۔۔۔ تمہاری دانشمندیوں کے چراغ گل کر کے۔۔۔۔ تمہاری طاقتوں کا رس نچوڑ کر مٹی کا ڈھیر بنا چھوڑیں گے۔

تم سلام کے لئے ہاتھ بڑھاؤ گے
تو وہ ہاتھ کھینچ لیں گے۔۔۔۔
تم ان کے ساتھ چلو گے
تو وہ اپنی حقارت تصور کریں گے۔۔۔۔
تم اپنے بچے ان کے اسکولوں میں بھیجو گے
تو وہ دام مانگیں گے۔۔۔۔
اور تمہیں کوڑھی کا مریض سمجھ کر
نفرت کریں گے۔۔۔۔

تمہارے بچوں کی قسمت ٹاٹ سکول ہوگی، جہاں سے وہ پیار کے پیاسے لوٹیں گے، تو لباس جگر دریدہ منوں خاک میں دبا ہوگا۔ تم جب بیمار ہو گے تو نرم و نازک ٹیکنالوجی بھی تمہارا علاج نہیں کر پائے گی اس لئے کہ تمہاری جیب خالی ہو گی۔ تم انصاف کے لئے پولیس مرکزوں پر جاؤ گے، انصاف دینے والے منصف تمہیں ہی مورد الزام ٹھہرائیں گے۔ تم فتویٰ لینے کے لئے علماء کے پاس جاؤ گے تو وہ مجبوریوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔

یاد رکھنا

مادہ

جب

حاکم بن جائے۔۔۔۔۔ دولت جب نظام ہو جائے۔۔۔۔۔ برادری جب طاقت ٹھہرے۔۔۔۔۔ ظلم جب کاروبار ہو جائے۔۔۔۔۔ حرام خوری جب ہنر قرار دیا جائے۔۔۔۔۔ سفارش جب وسیلہ بن جائے۔۔۔۔۔ فریب جب ”پروٹوکول“ کی تعبیر بن جائے تو۔۔۔۔۔

غریب شہر!
فقیر بے نیاز!
یتیم مظلوم!
مسکین مقہور اور
مفلس زندگی!

ہر شخص کچھ دینے سے پہلے لینے کی فکر رکھتا ہے اور جب معاشرہ صرف لینے والوں کا بن جائے تو بذات خود وہ اپنے اراکین کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے پھر یہی وہ مقام ہے جہاں افراد اور جماعتیں اس منشور پر عمل پیرا ہوتی ہیں۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو

جس طرح
ہائیڈروجن اور آکسیجن سے پانی بنتا ہے
دو اور دو چار ہوتے ہیں۔

آگ میں کودو تو وہ جلاتی ہے۔۔۔۔۔ پانی میں چھلانگ لگاؤ تو وہ ہلاک کرتا ہے۔۔۔۔۔ ”مادہ“ نبوی منہاج اختیار نہ کرے تو وہ کبھی فلاح اور صلاح کا محرک نہیں ہو سکتا۔

بڑو!

چھوٹو!

بڑھو رسول محترم ﷺ کی طرف اور لپکو اس آواز پر جو کبھی لسان نور ترجمان سے نکلی تھی۔

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ① فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ② وَلَا
يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ③ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ④ الَّذِينَ هُمْ عَن
صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ⑤ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ⑥ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ

(الماعون: ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱)

”کیا دیکھا آپ نے اس شخص کو جو دین کو جھٹلاتا ہے۔

پھر اسی لیے تو وہ یتیموں کو دھتکارتا ہے۔

اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی رغبت نہیں دلاتا۔

پس بربادی ہے نمازیوں کے لیے۔

وہ جو اپنی نماز سے بھولنے والے ہیں۔

وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔

اور عام سی استعمال کی چیزوں سے منع کرتے ہیں“۔

الفاظ کے بوجھل ہونے کا اگر شکوہ ہو تو بقول شاعر اس کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے:

تو میری فکر میں جلتے ہوئے الاؤ تو دیکھ
برا نہ مان میری تند و تیز باتوں کا!

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاتا ہے جدھر بندہ حق تو بھی ادھر جا

ایک موقع پر مہتاب سے زیادہ درخشندہ اور تابندہ، منہ سے لعل بدخشاں سے زیادہ قیمتی اور جگمگاتے حروف سمع افروز ہوئے "ایک گھڑی کا غور و فکر دو جہاں کی عبادت سے بہتر ہے"۔ تفکر اور تدبر ملتوں کا سرمایہ ہوتا ہے، ایسی قومیں جو دل کے دریچے بند کر دیں اور عقل و خرد کے دروازوں پر قفل چڑھا دیں وہ افق حیات پر زیادہ دیر تک جگمگا نہیں سکتیں۔ پاکستان بیسیوں قوموں اور درجنوں فرقوں کا مسکن ہے۔

جیسے اس کے صحراؤں اور پربتوں کی چھاتی پر ان گنت راہیں ہیں، ایسے ہی اس کے ٹیلے اور چٹانیں سینکڑوں تہذیبوں کا مسروقہ سرمایہ اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ ایک چیز جس نے سب تہذیبوں تمام تمدنوں، ان گنت قبائل، طائل جغرافیوں، عریض منطقوں اور متعدد مذہبوں کو دبا کر رکھا ہوا ہے وہ یہاں کے رہنے والوں کی اسلام سے والہانہ وابستگی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ بتلاتی ہے کہ جولانگاہ "نظر و اثر" میں شاہوں بادشاہوں نے بھی زور مارا ہے کہ اسلام کے تمدنی آثار کسی طرح دب جائیں، سرپھرے شعراء نے بھی اسے ماضی کا باسی مذہب کہہ کر مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے، بہیمیت زدہ سیاست دانوں نے بھی اسے دہلیز اقتدار سے پیچھے رکھنے کی سعی کی ہے، مذہبی جنونیوں نے بھی اس کی شناخت کو مسخ کرنے کی تگ و تاز میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن اس کی عادت ہے کہ یہ نہ دبتا ہے، نہ ٹیڑھا ہوتا ہے اور نہ مایوسی اس کی فطرت ہے۔

اس نے دریاؤں کے رخ پھیرے ہیں، اس نے آتش کدے ٹھنڈے کیے ہیں، اس نے نار شکستگی کے معرکے سرانجام دیئے ہیں، اس نے صلیب توڑی ہے، اس نے لات ومنات کے سراوندھے کیے ہیں، یہ فلسفہ کی روح میں کھبتا ہے، اس نے لفظوں میں ستاروں پر کمند ڈالنے والے ذہنوں کو مسخر کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ جس نے اس پر سوچنے سے انکار کیا ہے، وہ ذہن خود ”نسیاً منسیا“ ہوگیا، اس کی عظمت کا اعتراف کرنے سے جو ہونٹ گونگے ہوئے ان لبوں سے پھر زیادہ دیر تک کسی نے شوخیوں بھرے ہفوات نہیں سنے۔۔۔۔۔۔

سمجھئے! یہ طاقت ہے، یہ قوت ہے، یہ نظریہ ہے، یہ ایمان ہے، یہ انقلاب ہے، یہ نور ہے، اس کی رفتار کو روکنے کی کوشش نہ فرمائیے وگرنہ تاریخ شعلہ جوالہ بن کر تمہیں جلادے گی تم خاکستر کا ڈھیر بن جاؤ گے۔

پاکستان میں سیاسی افق سے دینی قوتوں کی غیر حاضری پر ہم خوب جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ خوشی ”امریکہ بہادر“ اور اس کی معنوی ذریت کو ہوئی ہے۔ لادین وکیل، بے دین ڈاکٹر، فاسق اساتذہ، گمراہ پروفیسر، بدکار جاگیردار، دھوکہ باز صنعت کار، بہانہ ساز دانشور، لفافہ گیر صحافی، جنس زدہ ادیب، کرسی پرست سیاست دان سب خوش ہیں، سب کے ہونٹوں پر قہقہے ہیں، خوشی سے سب کے جسموں کی پھپھوندیاں اڑ رہی ہیں، سب جشن منا رہے ہیں کہ ہم نے اسلام کو شکست دے دی ہے، محراب مغلوب ہوگیا ہے، ملا کی پٹائی ہوگئی ہے، مولوی کا حلوہ اس کے گلے میں اٹک کر رہ گیا ہے، مشائخ دولت اقتدار مست کی جیب میں پڑے ہیں، مفتی لادینیت کی مٹھی میں بند ہے۔ اب پاکستان لادین سیاست کا چسکا رکھنے والوں کا ہے۔ شرق وغرب ایک ہوگئے ہیں۔ پاکستان دوست اور پاکستان دشمن گلے مل رہے ہیں۔ ایجنسیاں ”امریکہ“ پر ایمان رکھتی ہیں۔ اب اس ملک میں وہ ”قائداعظم“ کہاں ہے جو اس کے آئین کے بارے میں بڑی جرأت سے کہتا کہ ”نظام مصطفی ہماری منزل ہے“۔ اب اقبال کے عشق ریز شعر، سرمایہ تہذیب جدید کی پیشانی کا نور کون بنائے۔ اب عبدالغفور ہزاروی ایسے علماء کہاں

پیدا ہوں جنہیں وزارتیں پیش کی جاتیں تو وہ کہتے:

جو بچھ گیا ہو کوچہ دیوار یار میں
اس بورئیے پہ تخت سلیمان نثار ہو

انتخابی سیاست میں ملا کو کھڈے لائن لگا کر دین کو کھڈے سمجھنے والے کلچر، فیشن زدہ ذہن اور ہر ایک کو سمجھنا چاہیے کہ بلال تپتی ریت پر گھسٹ کر بھی کامیاب رہے، حسین کٹ، لٹ پٹ کر بھی کامیابیوں کا ہمالہ نشین ہے۔ جس ماحول کو تم نے آتش سوزاں بنا دیا ہے انشاء اللہ وہ ابراہیمی گلزار ہے۔ دینی انقلاب کا راسخ عقیدہ رکھنے والے لادین انداز سیاست کی قہر سامانیوں کو دیکھ کر مایوس نہ ہوں بلکہ عزم و ہمت سے اپنی منزل کی طرف بڑھنے کا توشہ پیدا کریں۔ دینی انقلاب پسندوں کو بجائے کسی سے شکوہ، کسی کے خلاف ہرزہ سرائی اور کسی مادی قوت سے رجا بندی کے تازہ حوصلوں اور گہرے فکر سے شیرازہ بندی کرنے کی سعی کرنی چاہیے، اس بات پر ایمان رکھئے کہ "نظریاتی اسلحہ کے بغیر ملکوں اور قوموں کے ریاستی اور تاریخی سرمایہ کا تحفظ ممکن نہیں ہوا کرتا"۔ عنقریب آپ دیکھیں گے کہ قوم چھنیوں میں پانی تقسیم کرنے کا شوق رکھنے والے سیاست دانوں، دانشوروں اور ملت بانوں سے تنگ آجائے گی۔ ایک بار پھر نظریاتی قوتیں ابھریں گی۔ فی وقت ہمارے سیاست کاروں کا سارا سرمایہ دو چار جملے انگریزی زبان کے سلاست سے ادا کر دینا ہے وہ بھی الا ماشاء اللہ۔

قبل اس کے کہ ملت کی نگہبانی کا جھنڈا اہل دین کے ہاتھ میں تھما دیا جائے، انہیں نظم و ضبط سے نتیجہ خیز انقلاب کے لئے منصوبہ بندی کرنی چاہئے، بنیادی طور پر عقیدہ اور ایمان ان کے ہاں اساسی اہمیت کا حامل ہونا چاہئے۔ دینی جماعتوں کو فسادی ملاؤں، پیسہ بٹور کارکنوں اور جاہل حامیوں سے گلوخلاصی کر کے فکر ساز اداروں کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ علم مند، مخلص اور باعمل ذہن ہی مشکل منزل کا حصول ممکن بنا سکتے ہیں۔ خیال ہے بے جا اور بے ضرورت لچک اور تربیت سے معرّیٰ منصوبوں نے دینی لوگوں کو مایوس کیا ہے۔ انہیں الا اللہ کہنے سے پہلے لا الہ کہنے کا

حوصلہ پیدا کرنا چاہئے۔ انہیں پہچاننا چاہئے کہ ان کے دور کے لات ومنات کون ہیں۔ کم از کم امریکہ کی چودھراہٹ کے خلاف لوگوں میں ایمان سازی کی تحریک ہونی چاہئے۔ دینی جماعتوں کو تعمیر وطن کے لئے قابل عمل اور منفعت بخش منصوبے قوم کے سامنے پیش کرنے چاہئیں۔ یہ بات نہیں کہ ہر منصوبہ تعصب کی نذر ہو کر طاق نسیاں میں ڈال دیا جائے۔

ایک مثال دیکھئے! پاکستان کی ایک غیر سیاسی تحریک جماعت اہل سنت نے ”30-اکتوبر 1996ء کو آل پاکستان سنی کانفرنس“ میں تعمیر وطن کا جو منصوبہ پیش کیا، اس میں بیرونی قرضوں کی ادائیگی کا مبسوط منصوبہ شامل تھا۔ اس کے قائدین نے فرقہ سازی اور فرقہ پرستی کی بجائے معاشی استحکام کا زبردست چارٹر دیا اور کہا کہ ہمیں قرضے ادا کرنے کے لئے گداگری بھی کرنی پڑی تو ہم دریغ نہیں کریں گے۔

جماعت اہل سنت کی اس تجویز کو من وعن تسلیم کر لیا گیا اور وطن تعمیر کے جس نئے دور میں داخل ہوا اس میں سچی بات یہ ہے کہ ایک دینی جماعت کا حصہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جماعت اہل سنت نے اس تحریک کو مذہبی جذبے سے مذہبی ہدف نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے اٹھانے کا لائحہ عمل پیش کیا تھا جو مادی سیاست کی نذر ہو گیا۔

اہل دین۔۔۔۔۔سوچئے

اور کچھ کیجئے

اہل حق۔۔۔۔۔تفکر اپنایئے

اور انقلاب لایئے۔

اہل صدق وصفا۔۔۔۔۔تدبر کی ریاضت کیجئے

اور

ہر باطل قوت سے ٹکرا جایئے۔

مدرسوں میں بیٹھنے والے پیارو!۔۔۔۔۔

لادین طبقہ کبھی بھی آپ کے نبی ﷺ کے مقصودِ حیات کا پرچم بلند ہوتا برداشت نہیں کرسکتا سوتم ان سے نفرت کرو، یہ انگریز کے پٹھو ہیں۔

خانقاہ میں بیٹھنے والے شہزادو!

اس گالی کا جواب کون دے گا کہ پارلیمینٹ میں ایک سو رکن پیروں کے بھائی، بہنوئی، سسر اور خسر ہیں پھر انقلاب بپا کیوں نہیں ہوتا؟

محرابوں میں گل افشانی کرنے والے عظیم خطیبو!

لوگ محو حیرت ہیں۔ صدیوں سے خطابت اپنے رنگ بکھیر رہی ہے، لیکن قوم نظام مصطفیٰ کو اپنی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ اس سوال کا جواب دینی انقلاب کے لئے گرم دعوت ہے جو کفر کے ایوانوں میں لرزہ طاری کردے۔

دینی جماعتوں کے میڈیا گیر رہبرو!

عوام بے چاری سوچتی ہے کہ ہمارے مسکین قائدین کو وزارتوں، مشاورتوں کی طلبی ہی سے فرصت نہیں کہ نظام مصطفیٰ کے لئے وہ بے چارے منصوبہ بندی کریں۔ اس طعنے پر ناراض نہ ہو پھر سے مخلصانہ کوشش کی کہکشاں سجاؤ۔ زمانہ تمہارے ساتھ ہے۔

شیخ سعدی نے گلستان میں ایک نیک شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے خواب میں ایک پارسا کو دیکھا وہ دوزخ میں ہے اور ایک بادشاہ کو دیکھا وہ جنت میں ہے، اسے حیرانی ہوئی تو حظیرہ قدس سے آواز آئی۔ ”بادشاہ نے فقیروں سے محبت کر کے جنت کمالی اور فقیروں نے سلطانوں کو سلامیاں دے کر دوزخ جیت لی“۔ تمہاری اور ہماری بچی عزت حضور ﷺ کے نام سے ہے، انہی کی عطا کی ہوئی روشنیاں ہمارے سروں کو بلندی اور رفعت بخش سکتی ہیں۔

اب تم سب کی مرضی ۔۔۔۔۔ بادشاہ ہو

چلو نہ چلو

بڑھو نہ بڑھو

کچھ کرو نہ کرو

کچھ کہو نہ کہو

کچھ بولو نہ بولو

ہمارا مشورہ یہی ہے

"جاتا ہے جدھر بندہ حق تو بھی ادھر جا"

ہاں بات ہو رہی تھی

شاہ علم و تمدن رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایک گھڑی کا فکر دو جہاں کی عبادت سے بہتر ہے"۔

یہی ریاضت ہے

یہی عبادت ہے

یہی وظیفہ ہے

یہی ورد ہے جس سے ہم گوہر مقصود تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

قرآن حکیم کا یہ وظیفہ بھی یاد رکھ لیں، اسی میں تمہاری اور ہماری بیماریوں کی شفا ہے۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَ
لَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (٣٢) ہُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ
لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۙ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (التوبۃ: ۳۲،۳۳)

"ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں

اور اللہ کو منظور نہیں بجز اس کے کہ

وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے گا

کیوں نہ کافر لوگ اسے برا جانیں

وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو

ہدایت اور سچے دین کے ساتھ
تاکہ اُسے تمام دینوں پر ہر طرح سے غلبہ عطا فرمادے
اگرچہ مشرک اسے ناگوار سمجھتے رہیں"۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جماعت کی خواہش یہی ہے کہ

اہل سنت کا وجود "بقائے انسانیت" کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو ایک درخت کے لئے جڑ کی ہوتی ہے۔ کسی درخت کے شاداب رہنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کی جڑوں کو مناسب، متوازن اور بروقت خوراک ملتی رہے۔ اہل سنت کی بنیادی، حرکی، روحانی اور انقلابی ترجیحی ضرورت ایمان وعقیدہ ہے۔ مذہب سب سے زیادہ زور ایمان سازی پر ہی دیتا ہے۔ عقیدہ کی سلامتی ہی اعمال کی شگفتگی اور بہار کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ اہل سنت کی عظیم تاریخ نے امت مسلمہ کو نازک اوقات میں سہارا میسر کیا ہے۔ ملت اسلامیہ کو شجر سدا بہار، تازہ اور پرنشاط کونپلیں اہل سنت کے عقیدہ اور ایمان ہی نے عطا کی ہیں۔

حضرات!

یہ بات ایک بنیادی سبق کی حیثیت سے یاد رکھ لیں کہ مادہ، ریاست، سیاست، اقتدار اور بذات خود یہ سب کاروبار حیات عارضی چیزیں ہیں۔ زندگی کے درخت پر یہ پھل ہمیشہ انسانی نگاہوں کو خیرہ نہیں کر سکتے، لیکن ایمان اور عقیدہ دائمی روشنی رکھتا ہے، اس کا پھل "حیات مستعار" کے فانی گوشوں میں بھی قدم ودوام کی خوشبوئیں بکھیر دیتا ہے۔ ایمان کا بیج خاکی وجود میں اگتا ہے لیکن اس بیج سے پھوٹتی، بڑھتی اور لہلہاتی شاخیں لمحوں میں آسمانوں کی دنیا میں جا بسیرا کرتی ہیں۔ ایمان کا یہی سیمابی، انقلابی اثر تھا، عقیدہ کی یہی قاہرانہ گرفت تھی کہ اہل سنت کسی دور میں مسخر نہیں ہو سکے۔ انہوں نے جگہ بدلی ہے لیکن عقیدہ نہیں بدلا، ان کے رنگوں میں انقلاب

آیا ہے لیکن ان کے نورِ ایمان کا سرچشمہ ہمیشہ ایک ہی رہا ہے، یہ طورانی و اصفہانی، سندھی و پنجابی اور خراسانی و بدخشانی ہو سکتے ہیں لیکن ان کا ایمان اور عقیدہ ایک ہی رہتا ہے۔ نارِ نمرود ہو تو بھی۔۔۔۔۔ فتنہ فرعون ہو تو بھی۔۔۔۔۔ ظلمت یزید ہو تو بھی۔۔۔۔۔ فتنہ خارجیت ہو تو بھی۔۔۔۔۔ فتنوں نے، اندھیروں نے، ظلمات نے اور فسادات نے انہیں بہانا چاہا، انہیں دبانا چاہا، انہیں جھکانا چاہا اور انہیں مٹانا چاہا لیکن یہ نہ مٹ سکے، یہ نہ دب سکے، یہ نہ جھک سکے۔۔۔۔۔ اس لئے نہیں کہ یہ طاقت ہیں بلکہ اس لئے کہ ان کا ایمان اور عقیدہ نور ہے، طاقت ہے، قوت ہے، خوشبو ہے برہان ہے، حجت ہے۔ ایمان نے شکست سیکھی ہی نہیں، وہ آگ میں مسکراتا ہے، وہ خاکستر کے ڈھیر سے بھی " انا الحق " پکارتا ہے، وہ سرِ دار رخِ اقتدار پر تھوکتا ہے، وہ تپتی ریت پر گھسٹ کر حسن محبوب کے گیت گاتا ہے، جلتے بلتے خیموں میں اس کے سامنے اس کے محبوب پیکروں کے چیتھڑے ادھڑتے ہیں لیکن وہ " انا ابن علی " کے نعرہ سے سرِ کربلا ہنگامہ محشر کا شرارہ بن جاتا ہے۔ ایمان دریا کی موجوں کو رسیاں ڈال لیتا ہے، ایمان قطرے سے قلزم بنانے پر قادر رہتا ہے، ایمان آگ میں پانی کے چشمے جاری کرتا ہے اور پانی میں آگ روشن کرنے کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ ایمان چیز ہی اور ہے۔

صاحبو!

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں " اہل سنت " ایمان ہیں، اہل سنت راہ ہیں، اہل سنت منزل ہیں، اہل سنت رہبر ہیں، اہل سنت شعور ہیں، اہل سنت بصیرت ہیں، اہل سنت بصارت ہیں، اہل سنت فہم و ذکا ہیں، لیکن ایمان جب محبوب ہو کر ان کو آواز مارے پھر یہ مجنون قلندر مجذوب اپنے محبوب کی ہر دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ " میں نوکر کسدی " ان کا مسلک بن جاتا ہے۔

بھائیو! بزرگو صاحبو! مجھے اپنی آنکھوں میں جھانکنے دو، مجھے اپنے دل میں اترنے دو۔ میں تمہارے ایمان کے دریا سے اپنے درد کے کچھ بتوں کو نہلا دھلا کر مسلمان کرنا چاہتا ہوں۔ یاد رکھو ایمان کا تعلق قلب فرد سے ہوا کرتا ہے۔ جس وقت صاحب ایمان جماعت بن جائیں تو پھر

جماعت کا فریضہ تحفظ ایمان ہوتا ہے۔ اس دور میں ہماری اولین ذمہ داری ان سوراخوں کو بند کرنا ہے جن سے ایمان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ ایمان کے بعد دوسرا ترجیحی تقاضا "عمل صالح" ہے، حسن ایمان کا مظہر دراصل عمل ہوا کرتا ہے۔ عمل کی حیثیت درخت کے پھل کی ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص کی زندگی میں آپ محسوس کریں کہ عملی اعتبار سے کوتاہی پائی جاتی ہے، تو جان لیں کہ اس کی اعتقادی زندگی میں کہیں نہ کہیں جھول پائی جاتی ہے جماعتی اعتبار سے کم از کم مجھے اس تاریخی حقیقت کا پوری طرح ادراک ہے کہ عمل صالح کی تحفیظ ہمیشہ اہل اللہ اور صوفیاء کے ہاتھوں ممکن ہوئی ہے۔ اسلام کے اس نہایت درخشاں باب کی حفاظت اہل سنت کے اکابر نے کی ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے عمل کا عظیم سرمایہ ودیعت کیا تھا۔ اس کا اگر کوئی آج سراغ لگانا چاہے تو کسے انکار ہوگا کہ امام حسین‘ حسن بصری‘ امام اعظم‘ عبدالقادر جیلانی‘ خواجہ غریب نواز‘ سید علی ہجویری‘ بایزید بسطامی‘ غزالی‘ رازی ایسے ہزاروں اکابر کا نام روشنیاں مہکائے گا۔ میں جماعت کے کارکنوں سے عرض کروں گا کہ وہ دل جمعی سے شعور کو عام کریں کہ عمل سوائے اہل سنت کے کسی اور کے ہاں ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں میں یہ ضرور کہوں گا کہ جماعت اہل سنت کے کارکنوں کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ رسالت مآب ﷺ کی سنت کی حفاظت کریں اور حفاظت سنت کا بہترین طریقہ عمل ہوگا اور بدعات کے راستوں سے اعتقادی اور عملی زوردار انحراف عمل صالح کی حفاظت میں انقلابی کردار ادا کرے گا۔

رہا یہ سوال کہ آخر اس کی وجہ کیا تھی کہ اہل سنت ہی تاریخ عملیت کے پاسبان ٹھہرے اور ان کے اندر بعض ایسی خفتہ صلاحیتیں کسی غیبی قوت نے ہمیشہ بیدار رکھیں جو امامت انسانیت کے لئے انہیں قابل بناتی رہیں۔ میرے خیال میں اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ انسانی فطرت کے متعلق ان کا نقطہ نظر ہمیشہ جامع اور مکمل رہا۔ ان کے ہاں ظلم اور تعدی کی بجائے ہمیشہ محبت کی قدریں پلتی بڑھتی رہیں۔ پر کیف زندگی کے سوتے انہوں نے اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیئے۔ فلسفہ اور یبوست کا بحر مردار انہیں اپنی طوفانی موجوں کی لپیٹ میں نہ لے سکا۔ ان کے سہروردی، ان کے نقشبندی، ان

کے چشتی اور ان کے قادری ذوق وشوق کی جنتیں مقدر انسانیت بناتے رہے۔

یادرکھو!

جب تک آپ کے پاس ذکر واذکار تسبیح وتہلیل، ھاوھو، مستی والستی، تسمیع وسماع، نشید ونعت، رنگ وحلاوت، ذکر وفکر، سرور ومراقبہ، عرس وتعریس ایسے سامان تسکین ہیں، انسانیت تمہارے ہی گھاٹ سے اپنی تشنگی بجھاتی رہے گی۔ مردہ، جامد، بے ذوق، بے حس، چھچھورے، انسان دشمن اور بدشوق مسلک اور مذہب اپنے اندر کوئی دلچسپی نہیں پیدا کر سکیں گے۔۔۔۔ آپ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے رہیں، آگے بڑھتے رہیں، شوق اور ذوق کو مہمیز لگائے رکھیں۔ اشغال اسلاف پر گرفت ڈھیلی نہ ہونے دیں۔ یہ زمین وزماں او یہ چمنین وچناں سب تمہارے باج گزار ہو جائیں گے اور دنیا پیاسے کووں کی طرح تمہارے سرچشموں پر بے تابانہ ٹوٹ پڑے گی۔ اس کے لئے دو چیزوں میں ڈوبے رہیں۔ ان سے جدا نہ ہوں، تمہاری قوتوں کا راز، تمہاری بقا کا سرمایہ، تمہاری عزت کا وثیقہ، تمہاری آبرو کی سند، تمہارے وقار کی علامت بس یہی دو چیزیں ہیں:

ایک عشق رسول ﷺ اور دوسری قرآن حکیم سے ناقابل شکست وابستگی۔

ڈاکٹر تارا چند نے اپنی کتاب (INFLUENCE OF ISLAM ON INDIAN CULTURE) میں اس حقیقت کا بڑا جرأت مندانہ اعتراف کیا ہے کہ وہ قوم جو قرآن اور حب محمد ﷺ میں ڈوب گئی ہو اسے اور کامیابیوں کو جدا جدا نہیں رکھا جا سکتا۔

ہر روز دو کام دلچسپی سے کرو

قرآن مجید پڑھو

کتاب حکمت کا مطالعہ کرو

فرقان حمید کے لہجوں میں اترو

صحیفہ نور میں غور وتدبر کرو

واللہ

تمہیں کتاب کے اندر سے ایک آواز آئے گی

جو تمہاری تربیت کا بہترین درس ہوگا

اس زمزمہ تلاوت سے مست مند ہونے کے بعد دوسرا کام یہ کرو کہ

رخ مصطفیٰ ﷺ کا تصور لے کر حریم روح و دل میں اتر جاؤ

کچھ درود پڑھو

زبان پر کچھ نعتیں لاؤ

دل کی دھڑکنوں سے ان کا نام گنگناؤ

پھر ان کی سیرت تم سے ہم کلام ہوگی

وہ جس سے منع کریں رک جاؤ

اور وہ جو کہیں

اسے اپنا لو

بڑے نمونے کے مرد بنو گے

بڑے

بڑے

بڑے

نمونے کے، زبردست، عجیب

اللہ، واللہ، باللہ

بڑے نمونے کے مرد بنو گے

جماعت کی خواہش یہی ہے کہ تم

ایسے ہی بن جاؤ۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا کروگے اگر سحر نہ ہوئی؟

دائرے کی گول لکیر پر اگر آپ انگلی گھماتے رہیں تو شاید آپ کو متعدد بار ایک ہی نقطہ سے گزرنا پڑے۔ تاریخ زمانی اور مکانی گردشوں کی ایسی ہی گاتی گنگناتی اور روتی رلاتی شاہراہ کا نام ہے، جہاں آپ کو انسانی قافلے غم ویاس اور ذلت وبربادی کے تڑاقوں اور جلاپوں سے جھلسے ہوئے دکھائی دیں گے اور ایسے بھی کہ خوشیوں اور مسرتوں کے پھول شاید انہیں دلہن کی طرح سجا کر منزل حقیقت کی طرف گامزن کر رہے ہوں۔ پھول اور کانٹے، نور اور ظلمات، نشیب اور فراز، پستی اور بلندی، ذلت اور آبرو، تعمیر اور تخریب ہمیشہ ایک دوسرے کے تعاقب میں رہتے ہیں۔

برصغیر پاک وہند میں جب مسلمانوں کا کارواں خودمست قائداعظم کی قیادت میں حریت اور آزادی کو منزل بنا کر دیوانہ وار بڑھ رہا تھا، تو کامیاب اور کامگار انسانوں کی ہر اچھی خصلت ان میں موجود تھی ۔۔۔۔ ہمدردی کے جذبے تھے ۔۔۔۔ غریب پروری کے عملی مظاہرے تھے ۔۔۔۔ مادی قدریں جامد تھیں اور روحانی اقدار زندہ وپائندہ تھیں ۔۔۔۔

اس دور کے مشائخ میدان کارزار کے مجاہد تھے اور محنت کش اور مزدور زاویوں میں عبادت مست راہبوں کی تصویر تھے۔ قربانی کا ہر انداز سلامت تھا ۔۔۔۔ جانثاری ملی امانت تصور کی جاتی تھی ۔۔۔۔ فرقہ واریت کے بھوت بوتل بند تھے اور جہادی ضرورتوں نے مسلمانوں کو اخلاق اور سیرت کے ہر اسلحہ سے مزین کر رکھا تھا ۔۔۔۔ لیکن انگریزوں کی ایک سو سالہ غلامی اور صحبت نے جو تربیت کے منفی پہلو ان میں پیدا کر دیئے تھے ان میں سرفہرست علم اور تعلیم

کا اجتماعی سطح پر فقدان تھا۔

مذہبی اور دینی طاقتوں نے فطرت کے سائے میں دینی تعلیم کا چراغ روشن کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا، لیکن عصری تعلیم میں علی گڑھ ایسی تحریکوں نے محنت اٹھائی لیکن اس کی ساری کوششیں سمندر میں چھوٹا سا کنکر پھینکنے سے زیادہ نہیں تھیں۔ جامعہ علی گڑھ کے منفرد ہونے کی بناء پر اور چند مخصوص مذہبی، سیاسی اور عمرانی سوچوں کی وجہ سے وہاں سے صرف کھاتے پیتے گھرانوں کے بچے فیض حاصل کر سکتے تھے۔

دوسری طرف قافلہ حریت کی قیادت لاشعوری طور پر ان وڈیروں کے ہاتھ میں آ رہی تھی جو مغربی تعلیم یافتہ ہونے کی بناء پر مسلمانوں کے لئے ضرورت بن چکے تھے۔۔۔۔۔ بہرنوع خوبیوں اور کمزوریوں کے یہ اُجالے اور تاریکیاں لئے ایک متضاد ماحول کا ورثہ لئے حریت کا آفتاب طلوع ہوا اور دنیا کے نقشہ میں پاکستان نظر آنے لگ گیا۔

”تحریک پاکستان“ کی فکری اور عظیم قیادت کو اگر تھوڑا عرصہ کام کرنے کا موقع مل جاتا تو شاید صورتحال یہ نہ ہوتی جس سے آج ہماری ملت دوچار ہے۔ عقل و ذہن مسخ ہوتے جا رہے ہیں۔ حسن اعتقادی پرسکون جھیلوں میں بدکاریوں کے بارود سے تخریبی موجیں بپھر رہی ہیں۔۔۔۔۔ زمانہ جہالت کی طرح سود خوری وقت کی ضرورت بنتی جا رہی ہے۔۔۔۔۔ ”قمار بازی“ کے جواز پر جدید تکنیکی نظام وضع کئے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ عریانیت اور جنس پرستی کو سرکاری سطح پر تحفظ دیا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ بلکہ اسے صنعت کا درجہ دے کر کفالت کی سکیمیں سوچی جا رہی ہیں۔۔۔۔۔ عامتہ الناس شقاوت اور بدی کے سیلاب میں ڈوبتے جا رہے ہیں۔

”بازار حسن“ نکھرتے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ ووٹوں کی لوٹ پر زنا کاری کے لائسنس دیئے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ سیاسی لحاظ سے افراتفری مچی ہوئی ہے۔۔۔۔۔ جمہوری ادارے دم توڑتے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ وطن کی مستحکم دیواروں میں ناامیدیوں کے زلزلے دراڑیں ڈال رہے ہیں۔۔۔۔۔ سیاسی جگادریوں سے لوگ بیزار ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔ محراب اپنی رونقیں کھوتا

جا رہا ہے۔۔۔۔۔ زندگیوں کے سرشتے جھوٹ، نام و نمود کے دامن سے وابستہ ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔ لایعنی افعال مشغلے بنتے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ ملک تماشا گاہ بن چکا ہے۔۔۔۔۔ ہر طرف غفلت کی مدہوشی طاری ہے۔۔۔۔۔ دلوں کی زمین خشک ہوتی جا رہی ہے۔۔۔۔۔ نیکیوں کے چمن افسردہ دکھائی دے رہے ہیں۔۔۔۔۔ وفا مندیوں کے باغ سنسان ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔ افکار پر شب دیجور کی سیاہی چھائی ہوئی ہے۔۔۔۔۔ سوچیں اندھی ہو رہی ہیں۔۔۔۔۔ ہر قائد اور ہر رہبر خود پرستی کے نشہ میں گرفتار ہو چکا ہے۔۔۔۔۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی تخصیص نہیں۔۔۔۔۔ منبر و محراب کی استثناء نہیں۔

جسے دیکھو، جدھر دیکھو اور جب دیکھو۔۔۔۔۔ خودستائی کے نشے کی حکمرانی دکھائی دے گی۔

ہلاک کر دینے والا نشہ

برباد کر دینے والا نشہ

محروم از زندگی کر دینے والا نشہ

بے چارہ و مفلس بنا دینے والا نشہ

قلاش و تہی دست کر دینے والا نشہ

عقل و آگہی کا دشمن

شعور و فکر کا دشمن

ذہن و عقل کا دشمن

قلب و جاں کا دشمن

قوم و ملت کی بربادی

ملک و سلطنت کی تباہ کاری

ذات میں ذلت۔۔۔۔۔ جماعت میں رسوائی

نشہ

چرس سے زیادہ خطرناک
ہیروئن سے زیادہ مہلک
تمباکو نوشی سے بڑھ کر خطرہ جان
نشہ ایسا نشہ
جو
صحافیوں کو چمٹ گیا ہے
مولویوں کو ہو گیا ہے
سیاست دانوں پر چھا گیا ہے
پیروں کو کھا گیا ہے
عوام کو چاٹ گیا ہے
اور
خواص کو نگل گیا ہے
نشہ
انسان اکٹھے کرنے کا
نشہ آدمی جمع کرنے کا
نشہ خودستائی کے نعرے سننے کا
نشہ جمہور کی رائے جیتنے کا
نشہ جلسے کرنے کا
نشہ جلوس نکالنے کا
جوتے پڑیں پھر کیا۔۔۔۔؟
ذلیل ہوں پھر کیا۔۔۔۔؟

نشہ نشہ ہی ہوتا ہے۔

نہ رات سکون

نہ دن چین

اکٹھے کرو لوگ

جھاگ اگلو منہ سے

شعلے برساؤ زبان سے

پھر دیوانے نشہ خوروں کی طرح

آگ لگاؤ

قوم کو

وطن کو

ملت کو

ہڑتال ـــــ لانگ مارچ ـــــ شارٹ مارچ ـــــ ٹرین مارچ ـــــ جہاز مارچ ـــــ روڈ مارچ ـــــ نظام مصطفیٰ لانگ مارچ ـــــ شریعت اسلام لانگ مارچ ـــــ الحاد لانگ مارچ

ہُرّے ـــــ ہے جمالو ـــــ زندہ باد ـــــ مردہ باد

ہجر کی رات کاٹنے والو
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی

کیا ہم نے وطن اسی لئے بنایا تھا ـــــ کیا پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے مقاصد یہی تھے ـــــ کیا خرمن اسی لئے سجایا گیا تھا کہ بجلیاں کوند پڑیں اور ہوا کیا بھسم کر کے رکھ دیں۔ اگر نہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ ترقی وارتقاء کی حقیقی راہیں کون سی ہیں۔

دانشور حضرات!

صحافی دوستو!

حکمران صاحبو!

علماء بزرگو!

مشائخ درویشو!

غربائے کرام!

اور ثروت دار جیالو!

تم سب سوچتے ہوگے کہ ترقی کی راہیں

ٹیکنالوجی کا عروج ہے۔

صنعت کا فروغ ہے

زراعت کا اقدام ہے

سائنس کی ترویج ہے۔۔۔۔۔ لیکن مقام فکر یہ ہے

کہ باامن ماحول اور حقیقی علمی اقدار کے بغیر۔۔۔۔۔ کیا ایسا کرنا اور ایسا ہونا ممکن ہے۔

قسم قلم کی اور صاحب قلم کی

قرآن مجید ہی کے نسخہ میں ہمارے لئے شفا کا پیغام ہے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (العلق: ۱)

”پڑھیے اپنے رب کے عظیم نام سے جس نے پیدا فرمایا“۔

جب تک آپ اپنی قوم کی فکری سطح بلند نہیں کر لیتے، ان کی تربیت کے معیار درست نہیں کر لیتے، ان کے امانت کے جذبوں کا احیاء نہیں کر لیتے، ان کی سوچوں میں انقلاب نہیں لے آتے کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ نظام تعلیم قوموں کا مصدر فیض ہوا کرتا ہے اور ہماری بدقسمتی کہ ہمارا کوئی نظام تعلیم ہے ہی نہیں۔ دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کے راستے جدا جدا ہیں، جو ایک ہی ملت میں دو دو طبقات پیدا کر رہے ہیں۔ دوسری طرف عصری تعلیم میں ایک

طرف ایچی سن اور ہیکن ہاؤس ایسے ادارے اور دوسری طرف برگد سکول اور کیکر سکول ہیں، جن سے فارغ ہونے والے لوگوں میں زمین تا آسمان فاصلے بڑھ رہے ہیں اور یہی خرابی کا جھکڑ ہے جو ملت کا شیرازہ بکھیر رہا ہے۔ بچوں میں نقل کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ مختلف صوبوں میں جامعات کے نصابوں میں برزخ سے بھی زیادہ بھیانک فاصلے حائل ہیں۔ دولت کے بل بوتے پر ان پڑھ قیادتیں قوم پر مسلط ہو رہی ہیں، جن کا وجود تعلیمی اداروں کے لئے فنا کا طوفان ہے۔

یاد رکھیے!

جس معاشرے میں تعلیمی اداروں پر جاہل لوگوں کی گرفت مضبوط ہوگی، اس میں لابدی طور پر دو نتیجے ضرور برآمد ہوں گے: ایک تخریب و فساد اور دوسری جنگل لاء کی ترویج۔ آسان زبان میں آپ اس بات کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ شکست پذیر معاشرہ میں مدرسہ کمزور ہوتا ہے اور پولیس تھانہ قوی اور متحرک ہوتا ہے، شاید یہی وہ جگہ ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں اور زمانہ جہالت میں شاید:

”یہی وہ جگہ تھی جہاں سے ہم گزرے تھے“
ڈوبتے سفینے کو بچانے کے لئے
ذمہ داری انہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے
جن کے ہاتھ میں حکم وحکومت کی گرہ ہے
انہیں چاہیے کہ وہ ـــــ منشور اپنائیں
علم کا
عمل کا
صدق کا
اور امانت کا

قرآن مجید بھی انقلابی انداز میں اپنا پیغام حق سنا رہا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ﴿۴﴾
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۪ۙ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ

(المدثر: ۷۔۱)

"اے رسالت اور نبوت کا بالا پوش اوڑھنے والے!
اٹھیے پھر ڈرایئے
اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے
اور اپنے کپڑوں کو پاک اور صاف رکھیے
اور بتوں کی گندگی سے لوگوں کو دور کیجیے
اور احسان نہ کرو کثرت چاہنے کے لیے
اور اپنے پالنے والے کے لیے صبر کیے رہو"

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ناتوانوں کے نوالوں پہ جھپٹتے ہیں عقاب

زندگی کس چیز کا نام ہے۔ اسے رنگ کہا جائے یا بے رنگی سے تعبیر کیا جائے۔ اسے خوشبو مانا جائے یا روحوں میں کھب جانے والی بے مہک روشنی قرار دیا جائے۔ یہ پانیوں کی طرح کیا بے رنگ، بے بو اور بے ذائقہ ہوتی ہے یا دھنک کی طرح رنگ، نور اور روشنی رکھتی ہے، یہ زمین کی مثل پست، عجز ماب اور دبی دبی ہوتی ہے یا آسمان کی طرح اونچی، بلند اور نا قابل تسخیر تصور کا نام ہے۔ اسے حرکت بے تاب کہا جائے یا جمود لاینحل، یہ شور مے خانہ کی طرح ہوتی ہے یا ہنگامہ بازار کی طرح ابھرتی ہے۔ اسے حسن کنول میں ڈھونڈا جائے یا چشم نرگس میں تلاش کیا جائے۔ سنبل پیچاں میں کہیں یہی تو کارفرما نہیں؟ کہیں جنون مہر وماہ اسی کا نام تو نہیں؟ فضاؤں میں گم ہو جانے والے کارواں کواکب کہیں اسی کا ذوق سفر تو نہیں؟ گلبن طرح دار سے کہیں اسی کا جوبن تو نہیں ٹپک رہا؟ کوثر و تسنیم ممکن ہے اسی کے ماتھے کا پسینہ ہو؟ عروس آفاق کو شاید اسی نے سرخ آنچل کی اوڑھنی دے دی ہو؟ مے وساغر کی ”جھنا جھن“ لفظ واظہار کی ”کھنا کھن“ تیغ وسنان کی، رباب وطبل کی ”دھنا دھن“ جہد وقتال کی ”رنا رن“ بندوق وبارود کی ”گھنا گھن“ اور امن وسکون کی ”رما رم“ زیست ہی کے نشے ہیں؟ ’زندگی ہی کی مستیاں ہیں؟ جینے ہی کے رخ ہیں یا زندگی کسی اور چیز کا نام ہے؟ سوچتا ہوں تو زندگی چند حیرتوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتی۔ چلنا ہے یا رکنا، بولنا ہے یا چپ ہونا، پستی ہے یا بلندی، رنگ ہے یا بے رنگی، کیف ومستی ہے یا جمود محض، کثرت ہے یا وحدت، الجھنا ہے یا سلجھنا، بننا ہے یا بگڑنا، تعمیر ہے یا تخریب، بے آبرو ہو کر جینا ہے یا مر کے آبرومند ہونا؟ حیرت ہی حیرت، کچھ بھی نہیں بس حیرت ہی حیرت

مثنوی ما دکان وحدت است
حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

حیرانگی دو طرح کی ہوتی ہے: ایک وہ جو چشم بینا کے انہماک کا نام ہے اور دوسری وہ جو روح کی وسعتوں میں اترنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اصل میں حیرانگی یہی ہے۔ اس نقطہ پر زندگی بہت کچھ دے دیتی ہے اور زندگی کا یہی نقطہ وقار اور آبرو کہلاتا ہے۔ اس عرش اعظم تک رسائی صرف حضور ﷺ کے وسیلہ سے ممکن ہے۔ ان سے پیار، ان سے محبت، ان کی وسیع تر ذات میں اتر جانا مسلمان کا سرمایہ ہے اور جو ان کا نہیں غلام رسول اس پر تھوکتا بھی نہیں۔ یہی وہ مقدس سامان حیات ہے جس سے مسلمان کارگہ حیات میں سکندر اعظم دکھائی دیتا ہے اور یہی وہ روشن کتاب ہے جسے پڑھنے کے بعد مسلمان کی سوچ کا انداز بالکل بدل جاتا ہے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ پرانے چراغوں سے نئی روشنی حاصل کرتا ہے اور ہر لمحہ کی تاریخ اسی جذبے سے پڑھتا ہے اور ہر لمحے کی تاریخ اسی عقیدے سے مدون کرتا ہے۔

راہ محبت کے ان مقدس مسافروں کی زندگی کا ایک رُخ محبت سے جینا اور محبت سے جلانا ہے اور دوسرا رُخ ظلم اور بربریت کے استیصال کی عملی کوششیں ہیں جبکہ یہ دور اپنے تمام تر فتنوں کے ساتھ غلامان رسول کے لئے چیلنج بنا ہوا ہے۔

دور نا مسعود میں باوقار زندگی بسر کرنے کی خواہش رکھنے والی پیاری روحو۔۔۔۔!!

لو۔۔۔۔!!

ظلم اور فریب نے روشنیوں کے سارے قافلوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ دجل و فریب کے شہ زور پہلوان نیکی کا معصوم چہرہ مسلنے لگ گئے۔ پھولوں کی بہار ختم ہوئی۔ حسین نظریات کی سکون آرا بستیوں میں پریشانیوں کی کالک اور لاشعوری کے اندھیرے انسانوں کے چہروں پر اتر آئے، فسق و فجور کی روح فرسا تاریکیوں میں اسلام دشمن خونخوار چمگادڑیں انسانیت کی شکار بننے پر تلی ہیں۔ عالم رنگ و بو میں عیسائی اور یہودی اپنے آپ کو ایک بار پھر اکلوتا مقتدر تصور کرنے لگ گئے

ہیں۔ سلطان ایوبی کی تلواروں سے نچڑنے والا خون عیسائی آنکھوں میں آ اترا ہے۔ محمد بن قاسم کی اسلامی غیرت کفر کے لئے گالی بن چکی ہے۔ یورپ ایک ہو گیا ہے۔ کفر ملت واحدہ کی صورت میں ابھر رہا ہے۔ امریکہ کا وائٹ ہاؤس گدھوں کی طرح تمام مسلمانوں کی بوٹیاں نوچنا چاہتا ہے۔ یہودی اور عیسائی باہم دشمن ہونے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف اپنی بقا کی جنگ مشترکہ لڑنا چاہتے ہیں۔ امریکی بوز نے دنیا بھر کے مسلمان ممالک کے آئین کو سوکھے درخت کے پژمردہ پتے اتنی؟ حیثیت بھی دینے کے لئے تیار نہیں۔ عربوں کی دل سوز کہانیاں ہم نہ پڑھیں تو بھی ہماری محترمہ وزیر اعظم اور دیگر سیاست کاروں نے وائٹ ہاؤس کے سامنے جو ذلیل کن پھیریاں لگائیں، مسلمان حکمرانوں کے مزاج کا مطالعہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

”گنبد خضریٰ“ کے سبز رنگ پر کروڑ سفید سورج قربان کرنے والے غلامان رسول۔۔۔۔۔!!

دنیا میں ہمیشہ دو قوتیں باہم برسرِ پیکار رہی ہیں

مادہ اور روح

مادیت اور روحانیت

بدی اور نیکی

اندھیرے اور اجالے

رات اور دن

شر اور خیر

اس وقت یونائیٹڈ سٹیٹس سے لے کر تمہارے اسلام آباد تک مادہ زادے اپنی معنوی فوجوں اور قوتوں کے بل بوتے پر تاریخ کا رخ شیطان کی طرف پھیرنے میں منہمک ہیں۔ اس بات کو عقیدہ اور ایمان بنا کر دل اور روح میں بسا لیں کہ جس دور میں پیغمبروں کی زلف سے پھوٹنے والی روشنی کو دبا لینا عدالت کہلائے، جن بستیوں میں قاتلوں کے ہاتھ میں گلاب دیئے جائیں، رسول معظم کی گستاخی کرنے والے پھوہڑوں کو پی ایچ ڈی کی ڈگریاں دی جائیں، وہ

رحمانی نہیں شیطانی دور ہوتا ہے اور شیطانی دور میں ضرورت مصلحت کی نہیں ہوتی کفر سے نفرت کی ہوتی ہے۔ مجبوریوں پر قناعت کی نہیں بلکہ اپنی خوئے جہاد سے چراغ حق جلانے کی ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی سیاست، اخلاق، معاملات، مناکحت، سماج، تاریخ اور علم وتمدن کا مرجع نبوی ہدایت ہوتی ہے اور نبوی ہدایت کے محافظ، پاسبان اور چوکیدار علماء ومشائخ ہوتے ہیں۔ یہ انہی عظیم لوگوں کے نوری قافلے تھے جنہوں نے ظلم واستبداد کا ہر زمانے میں دیوانہ وار مقابلہ کیا۔ موت کے پھندے چومے لیکن اپنی اسلامی نسبت کو باسی نہ ہونے دیا۔

لیکن علمائے کرام......!

"ناتوانوں کے نوالوں پہ جھپٹتے ہیں عقاب"

یہود ونصاریٰ کے مادی میزائل مدارس اور خانقاہوں پر منڈلا رہے ہیں۔ ظالمانہ نظام کے پجاری سیاستدان تمہیں اپنے اپنے سفلی اور سطحی مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ قرطبہ، بغداد، اشبیلیہ کے تاریخی حقائق پھر سے نمودار ہوا چاہتے ہیں۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تمہاری سیاست میں آج کے امام کل انگریزوں کے گھوڑوں کی پھر سے مالش کر سکتے ہیں لیکن تمہارے لئے اور ہمارے لئے قرآن مجید کو چھوڑنا آج بھی دشوار ہے اور کل بھی دشوار ہوگا۔ بے نظیر امریکی صدر کلنٹن کی دہلیز پر سجدہ زن ہو جائے تو ممکن ہے قوم کی آبرو بچ جائے، لیکن عالم دین، شیخ معظم، مدرس عالی، علامہ موصوف، دینی جماعت، اسلامی ادارے، مذہبی جمعیتیں جب ڈالر اور پاؤنڈز کے سامنے ناصیہ فرسائی کریں گی تو ساری دنیا شیطانی قہقہوں سے بھر جائے گی۔

مذہب قوت ہے

دین طاقت ہے

علم آبرو ہے

کردار عظمت کی معراج ہے

مذہب اور دین کو نظر انداز کر کے مسلم ریاست وسیاست کی ابجد بھی نہیں سیکھی جاسکتی۔

آب زم زم سے آنکھیں دھونے والے مسلمانو!

غلاف کعبہ کی لمس سے نگاہیں ٹھنڈی کرنے والی روحو!

دہلیز قبلہ سے لبوں میں نور بھرنے والے متوالو!

حرم نبوی میں حسن شاہکار کا طواف کرنے والی نگاہو!

ثنائے الٰہی سے حلاوت روح کے مزے لینے والی زبانو!

قوت کا سرچشمہ آج بھی آپ کے پاس ہے۔ اہل دین! تم سب کچھ نہیں تو بھی بہت کچھ ہو۔ تمہارے ارادے پاکیزہ ہو جائیں۔ تم دل سے اگر چاہو تو ممکن ہے۔ کلنٹن کی غلامی کرنے والی اور ناموس رسالت سے کھیلنے والی عورت کے گلے میں پوری قوم اس کا دوپٹہ ڈال کر اسے چاردیواری کے اندر نہ دھکیل سکے۔ اس میں کیا شک ہے کہ تمہارے عماموں کے پیچ آج بھی ایسی رسوا لڑکیوں اور غلیظ قیادتوں کے گلے کا پھندہ بن سکتے ہیں۔

کہتے ہیں گلے شکوے اپنوں سے ہوتے ہیں اور جن سے اُمیدیں وابستہ ہوں وہ کچھ نہ کریں تو ایمان بھی جلنے لگ جاتے ہیں۔

وگرنہ پھر ہوگا یہی کہ قاضی حسین احمد نے کرکٹ کھلوانی شروع کردی، دینی قائدین مولانا شاہ احمد نورانی ہاکی کھلوائیں اور مولانا نیازی والی بال اور ہم سب مل کر گلی ڈنڈا کھیلیں۔ قومی اور ملی اور روحانی کام ہماری آنے والی نسلیں کریں گی، تو ہمیں چاہیے کہ آنے والوں کے لئے جلد جگہ خالی کردیں۔

جاتے جاتے قرآن حکیم کا ایک فرمان سنتے جایئے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوٓا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ
اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ (ھود: ۱۱۳۔۱۱۲)

"تو استقامت اختیار فرمایئے

جیسا کہ آپ کو حکم ہے اور وہ بھی
جو آپ کی معیت میں پلٹا
اور اے لوگوا سرکشی نہ کرو بے شک وہ
تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے
اور نہ جھک پڑو اُن لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا
ورنہ تمہیں آگ چھوئے گی
اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز نہیں پھر تمہاری مدد نہ ہوگی"۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کوک فریدا کوک توں

چرخ کہن نے روتی آنکھوں سے بغداد کے بعد پھر وہ منظر بڑی حسرت کے ساتھ دیکھا جب ”بابری مسجد“ کی دیواریں گر پڑیں، گنبد شوکت دار دھڑام سے زمین پر آن پڑا۔ ہندو جنونیوں نے پتھروں اور سلوں کو اس طرح پاؤں تلے روندا جیسے دشمن کی نعشیں ان کے ہتھے چڑھی ہوئی ہوں اور وہ ان کی بے حرمتی کر کے آتش انتقام ٹھنڈی کر رہے ہوں۔

گرتی ہوئی دیواروں سے اٹھنے والے غبار میں جیسے تقدس اور عقیدتیں کرچیاں بن کر بساط عالم پر بکھر گئی ہوں ۔۔۔۔۔ مسلمانان عالم کی غیرت، جیسے افق پر بجلیاں لرز رہی ہوں ۔۔۔۔۔ جذبے، جیسے صحرائے عالم کو گرد پا کی طرح حقارت سے جھٹک رہے ہوں ۔۔۔۔۔ ہر آنکھ نمناک نظر آئی ۔۔۔۔۔ ہر ذہن تلخیوں کی سوزش میں مبتلا ہوا ۔۔۔۔۔ ہر سینہ قیامت نظر تخیلات کے بوجھ تلے دب گیا، جو احتجاج کر سکتے تھے انہوں نے احتجاج کیا ۔۔۔۔۔ جو بول سکتے تھے وہ بولے ۔۔۔۔۔ جو لکھ سکتے تھے انہوں نے لکھا ۔۔۔۔۔ جن کے ہاتھوں میں قوت تڑپ رہی تھی وہ بے قابو ہو کر مندروں پر ٹوٹ پڑے ۔۔۔۔۔ آنسوؤں کی بارش ہوئی، جذبوں کی برکھا برسی، غموں کے طوفان اٹھے، اضطرابات کی بدلیاں کڑکیں، پریشانیوں کے بھونچال بپھرے ۔۔۔۔۔ ادیبوں کا ادب ۔۔۔۔۔ خطیبوں کے خطبے ۔۔۔۔۔ واعظوں کے وعظ ۔۔۔۔۔ سپاہیوں کے ہاتھ ۔۔۔۔۔ شعروں کے آہنگ ۔۔۔۔۔ حاکموں کا حکم، غم وغصہ اگلنے لگا لیکن گری ہوئی مسجد کی دیواریں فکر کی زبوں حالی پر مرثیہ خواں رہیں اور نہ جانے کب تک یہ مسجد چیختی رہے گی ۔۔۔۔۔ روتی رہے گی اور ایک مظلوم قوم کی فکری، عملی اور تحریکی بلوغت کے

لئے منتظر رہے گی اور ہوسکتا ہے کہ مادیت کی تند لہروں میں ----- مصلحت کے سرکش سیلاب میں، خود پرستی کے بہیمانہ رویئے کی گرج اور کڑک میں وہ آواز دھیمی سنائی دے، لیکن سوچنے، دیکھنے والے انسانوں کے کان جب بھی درست سماعی سے کام لیں گے ----- یہ مسجد کہہ رہی ہوگی کہ فرزندان اسلام! جب میری تحدید ہو رہی تھی ----- تکسیر ہو رہی تھی ----- مجھے سمیٹا جا رہا تھا ----- سکیڑا جا رہا تھا ----- میرے احاطے میں بھجن گائے جاتے تھے ----- میرے تقدس کے ہالوں میں بت پرستی، صنم گری اور شرک آفرینی ہوتی تھی تم چپ تھے بلکہ کیا یہ سچ نہیں کہ تم خود میرے صحن میں خود پرستیوں' غرض مندیوں کی فصلیں اُگا رہے تھے ----- جو جیسا بوتا ہے ویسا کاٹتا ہے، جو بوتا ہے وہ کاٹتا ہے، جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے ----- تم نے اگر میرا نام بابری مسجد نہ رکھا ہوتا، تمہارے بادشاہوں نے اگر دین اور حکومت کو الگ الگ نہ جانا ہوتا، تمہاری دنیا اور آخرت کے راستے اگر جدا جدا نہ ہوتے، تم رحمٰن اور شیطان کو اطاعت میں ایک جیسا نہ سمجھتے ہوتے، تو کس کی جرأت تھی مجھے چھیڑتا ----- کس کی ہمت تھی مجھے گراتا۔ اب بھی سنو میں صرف ہندوستان میں نہیں، میری خوشبو جہاں جہاں زمین ہے وہاں وہاں سونگھی جاسکتی ہے۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہ فرمایا تھا؟ کیا تم نے اپنے رسول کی بات نہیں سنی تھی جب وہ فرما رہے تھے:

> ”میں وہ رسول ہوں جس کے لئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے“

اگر یہ بات درست ہے کہ میری بنیادیں ہندوؤں کے قبضہ میں جا پھنسی ہیں ----- وہ ظالم اور جنونی ----- کم فہم اور ڈھیٹ ----- ضدی اور بے عقل سمجھتے نہیں کہ معبد کوئی بھی ہو اس کی دیواریں گرانے والے دراصل اپنے ہی وجود کا خمیر ٹھنڈا کر لیتے ہیں، لیکن مسلمانو! تم کیوں نہیں سمجھتے کہ میرا آنگن تمہارے پاس ہے۔

کیا تم صرف نعرہ لگاتے ہو کہ ہم بابری مسجد تعمیر کروا کر چھوڑیں گے۔ ہاں مجھے امید ہے کوئی محمد بن قاسم اٹھے گا اور کوئی سلطان محمود غزنوی ابھرے گا، لیکن مجھے شکوہ تو تم سے یہ ہے کہ تم

نے بھی رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے آنگن میں ہر غلط کرتوت کیا۔ تم جس جس ملک میں ہو وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد ہے۔ دین رسول کے مینار اٹھنے چاہئیں جس دن تم اس میں کامیاب ہو جاؤ گے اللہ تمہاری مدد فرمائے گا۔

بابری مسجد خود آزاد ہو جائے گی۔۔۔۔۔ ابھرے گی۔۔۔۔۔ بنے گی۔۔۔۔۔ اور ہمارے جذبوں کی برأت کا مطاف یہی ہو گا لیکن جو قومیں قیام دین نہیں کر سکتیں وہ مردہ ہوتی ہیں اور مردہ قوم کے معبد گرا کرتے ہیں۔۔۔۔ اٹھو! مرغ سحر اذان دے رہا ہے تم پہلے نمازی بن جاؤ۔۔۔۔ تم جہاں بھی ہو گے "بابری مسجد" کی خوشبو پاؤ گے۔

تم شیطانی قوتوں کو اپنا حاجت روا تصور کرتے ہو۔ تم ان کے سامنے کشکول گدائی پھیلانا اپنے مسائل کا حل جانتے ہو۔ تمہارے بادشاہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد روئے زمین کو آپس میں بانٹ رکھا ہے۔ اس میں اپنے نفس کا حکم چلاتے ہیں۔ کوئی خدمت کا نام لے تو اسے مجنوں، پاگل، ڈھیٹ، بنیاد پرست ہونے کی گالی دیتے ہیں۔ شاید مجھے کسی بادشاہ کی بجائے کسی غریب نواز اور سلطان المشائخ نے بنایا ہوتا، تو میرے ساتھ یہ سلوک کبھی نہ ہوتا۔ یہ شاہوں کا شاہوں سے ٹکراؤ ہے۔ سود خورو! تمہاری رگ رگ میں مال حرام نے ڈیرہ جمایا ہے۔ تم میرے تقدس کی بحالی کیسے بجا لاؤ گے۔ ہر روز مندر اور کلیسا، چرچ اور چیپل قہقہے لگاتے ہیں اور شیطان کی جے پکارتے ہیں کہ مسجدوں والے بھی مندروں والے کام کرتے ہیں۔

اونٹ گنگا میں بہہ گیا افسوس
ہند میں شیخ رہ گیا افسوس
سبزہ پاکر کر گئیں گائیں کلیل
اونٹ کانٹوں پہ لپکتے ہی رہے

برہمنوں کی راجدھانی میں ان کے تعصب کا زور توڑنے کے دو راستے ہو سکتے ہیں۔ ایک فلک پیر کے سائے میں اسلامی ریاست کا قیام اور کسی واحد دینی قیادت کے زیر نگرانی جہاد فی

سبیل اللہ کا اہتمام، دوسرا صوفیاء کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے منہج صحیحہ پر تبلیغ دین۔ پہلا راستہ خارجی قوتوں کو توڑتا ہے اور دوسرا راستہ داخلی رکاوٹوں کا سدباب کرتے ہوئے نسلوں ہی کو تبدیل کر دیتا ہے۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ بابری مسجد بنانے والوں کے آباؤ اجداد اسلام کے شدید ترین دشمن تھے اور بغداد کی تباہی میں ان کا بڑا عمل دخل تھا، لیکن قلوب اور صدور کے فاتحین کا عملی کردار تھا کہ اسلام کے بدترین دشمنوں کی اولاد دین مبین کے زبردست خادمین کے روپ میں ابھری۔

مسجد کی شہادت مسلمانوں کو گرنے والی دیواروں کی تاریخ پڑھنے کی دعوت دے رہی ہے۔ اُمت مسلمہ یہ نہ دیکھے کہ اجودھیا میں گرنے والی دیواروں کی بنیادیں مندر کی تھیں یا مسجد کی تھیں۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ہندوستان میں کروڑوں ہندوؤں کو مسلمان بنانے والے عظیم لوگوں کا کردار کیا تھا اور ان کے کام کرنے کا انداز کس نوعیت کا تھا۔۔۔۔۔ جس نسخہ نے کل ہمیں شفا دی تھی آج بھی وہی نسخہ ہماری بیماریوں کے سدباب کے لئے کارگر ہوگا۔

مسلمانو!
اگر تم ناراض نہ ہو
علماء!
اگر تم فتویٰ نہ دو
مشائخ!
اگر تم بد دعا نہ نکالو
حاکمو!
اگر تم اسے مفادگری تصور نہ کرو
شعراء!
اگر تم ہجوگوئی کی راہ نہ لو
تو آؤ تمہیں

ایک تجویز دوں

تم خود بھی

اور

تمہاری جماعت بھی

تم خود بھی

اور

تمہارے سارے کارواں منذ بھی

مذہبی انجمنوں میں-----دینی اداروں میں-----سماجی ٹھیوں پر-----عمرانی دائروں میں-----ریاستی ڈھانچوں میں-----سیاسی تنظیموں میں-----منافقین سے جان چھڑاؤ

مسلمانو!

تمہارا المیہ-----

تمہارا درد-----

تمہارا قاتل-----

نفاق

دو رخی

دوغلا پن

یاری رحمٰن سے بھی شیطان سے بھی
اطاعت حفیظ کی بھی ابلیس کی بھی

مال حرام سے زکوٰۃ دے لی تو کیا-----خون ناحق میں آلودہ پیشانی اللہ کے سامنے جھکا لی تو کیا-----سود کے پیسوں سے حج وطواف فرما لیا تو کیا-----

ستارے چیخ رہے ہیں

سورج ہنگامہ اٹھا رہا ہے

مظاہر قدرت فطرت کی تعزیریں بن کر بول رہے ہیں

مسلمانو!

بابری مسجد قراردادوں سے نہیں بنے گی

جلسوں سے نہیں تعمیر ہو گی

ہڑتالوں سے نہیں ابھرے گی

بنے گی۔۔۔۔۔اٹھے گی۔۔۔۔۔بڑھے گی۔۔۔۔۔ابھرے گی۔۔۔۔۔

اس کے فلک بوس میناروں سے اذانیں گونجیں گی، لیکن جب تمہاری حکومتیں اسلامی بن جائیں گی، وہ تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا فریضہ سمجھنے لگ جائیں گی۔

تمہاری صفوں میں نفاق نہیں ہو گا۔ تمہارے علماء دنیا کے عاشق نہیں ہوں گے۔

تمہارے صوفیا علم شپ نہیں کریں گے اور تمہاری حکومتیں کافروں کو اپنا حلیف نہیں سمجھیں گی۔

زمین اللہ کے لئے ہو گی

حکومت خلافت کی طرز پر ہو گی

جذبے محمود غزنوی کے ہوں گے

آہنگ محمد بن قاسم کا ہو گا

توکل طارق بن زیاد کا سا ہو گا

نان جویں تمہارا توشہ ہو گا

علی علی تمہارا نعرہ ہو گا

رسول تمہارے قائد ہوں گے

اسلام تمہارا دین اور قانون ہو گا

اللہ اللہ ہی رب ہوگا

الہ ہوگا

حاکم ہوگا

اور سب اچھے نام اسی کے لئے ہو جائیں گے۔

جذبوں کے سمندر میں۔۔۔۔۔ خیالوں کی ناؤ میں سواری کرنے والے

دلدارو!

وفادارو!

وردوارو!

تمہاری سوچوں کے تقدس کی قسم!
تمہارے افکار کے تعمق کی قسم!
تمہارے ارادوں کے حرم کی سونہہ
تمہاری ہر مظلوم خواہش کو سلام
میں جانتا ہوں تم بھی یہی سوچتے ہو

ہوں میں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو
جان دینے کو ہوں موجود کوئی بات تو ہو
دل بھی حاضر سر تسلیم بھی خم تو موجود
کوئی مرکز ہو کوئی قبلہ حاجات تو ہو

بُرا نہ مناؤ۔۔۔۔۔

صدائے قلندر محض اپنا فریضہ ادا کر رہی ہے

کوک فریدا کوک توں راکھی جویں جوار
جد تک ٹانڈے نہ پکن توں کردا رہو پکار

جاتے جاتے
دوست ہو یا دشمن سب
مسلم ہو یا ہندو سب
حاکم ہو یا محکوم سب
عالم ہو یا معلوم سب
شیخ ہو یا مرید سب
بابری مسجد کے مینار سے اٹھنے والی آخری آواز
سنتے جاؤ!
مانتے جاؤ!
کسی کے جنم پر اذان
کسی کی مرگ پر اذان
آنے والو تم بھی سن لو!
جانے والو تم بھی سن لو!
ابھرنے والو گوش بر آواز ہو
مٹنے والو!
یہ گیت
یہ نغمہ
یہ صدا
یہ آوازِ حق
کسی دیوار۔۔۔۔۔ کسی آنگن اور گنبد کی محتاج نہیں
اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر ☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کہو بنام مصطفیٰ ﷺ

آؤ!

ان لمحوں کو یادوں کی گرفت میں لائیں جب ''قرصِ زمین'' کی چھاتی پر تقدیر کی مدھم لکیروں سے ''میرے وطن'' کا نقشہ ابھرا تھا۔ ''پہنائے زماں'' میں ''لا الہ الا اللہ'' کے میٹھے گیتوں نے جذبوں کی ریاض سے حقیقتوں کی دنیائیں آباد کی تھیں۔ آب و گل کی دلدل میں انسانی سماعتوں نے ایک نظریاتی مملکت کی حرکی چاپ سنی تھی۔۔۔۔ خفتہ لمحوں کے تحریکی خروش سے اسلام دشمنیاں کلبلا اٹھی تھیں۔۔۔۔

دین کے متوالوں، اسلام کے مجاہدوں، نبی ﷺ کے غلاموں، صداقت کے امینوں اور خدا کے بندوں نے الہامی قانون، وجدانی دستور، عرفانی نظام، روحانی ضابطے اور تقدیر بدل شریعت ''اسلام'' کی تلاش میں حالات کی تنگ پگڈنڈیوں، گہرے غاروں اور جگر سوز صحراؤں میں اپنی آبلہ پائی، بلاکشی اور رسم سرفروشی سے گردن فرازان جہاں کو خشک پتوں کی طرح زمین پر بچھا تھا اور صدیوں کے بھنور سے پاکستان کی تلاش کر لی تھی۔

خوبصورت پاکستان۔۔۔۔ دلفریب سلطنت۔۔۔۔ رومان پرور وطن۔۔۔۔ پھول وادیاں۔۔۔۔ خوشبو دیس۔۔۔۔ میٹھے کھیت۔۔۔۔ مہکتی فضائیں۔۔۔۔ شمس مٹی۔۔۔۔ قمر خاک۔۔۔۔ فردوس لہریں۔۔۔۔ تسلیم موجیں۔۔۔۔ کرن کرن روشنیاں۔۔۔۔ نظر نظر اُجالے۔۔۔۔ ڈگر ڈگر جلوے۔۔۔۔ قدم قدم رحمتیں۔۔۔۔ جیوے وطن۔۔۔۔ مٹے دشمن۔۔۔۔ سلامت دیس۔۔۔۔ چلے جسد۔۔۔۔ کوکے کوئل۔۔۔۔ گائے بلبل۔۔۔۔

ہنسیں پھول۔۔۔۔۔۔ لہرائیں موسم۔۔۔۔۔۔ مسکرائیں چہرے۔۔۔۔۔۔ رقص کریں دشت وجبل۔۔۔۔ چہکیں، مہکیں، چونکیں، لرزیں، تڑپیں۔۔۔۔۔ روحوں، ضمیروں، سینوں، سفینوں کا ایک ہی نغمہ۔۔۔۔ ایک ہی نعرہ۔۔۔۔ ایک ہی بول۔۔۔۔ ایک ہی قول۔۔۔۔ ایک ہی نیت۔۔۔۔ ایک ہی ارادہ۔۔۔۔ ایک ہی راہ۔۔۔۔ ایک ہی منزل۔۔۔۔

پاکستان کا مطلب کیا

لا اله الا الله

پاکستان کا مطلب کیا

محمد رسول الله

جیوے وطن۔۔۔۔ جیوے دیس

اس کے دریاؤں کی لہروں میں۔۔۔۔ اس کی قوس قزح کے رنگوں میں۔۔۔۔ اس کی راتوں کی برہم برہم زلفوں میں۔۔۔۔ اس کے پھولوں کی درہم درہم خوشبوؤں میں۔۔۔۔ لرزاں لرزاں طوفانوں میں۔۔۔۔ رقصاں رقصاں چمنستانوں میں۔۔۔۔ خنداں خنداں اس کی شاموں میں

ایک وعدہ، ایک امانت ہے

ایک عزم، ایک پیماں ہے

آفاق کے ڈھلوانوں میں ایک تھرکن

ایک دھڑکن۔۔۔۔۔

ایک تڑپن۔۔۔۔۔

ایک لرزن۔۔۔۔۔

مستاں مستاں، پیچاں پیچاں

بولو بولو، کہو کہو

نام خدا پر بولو بولو

پاکستان کا مطلب کیا

لا الہ الا اللہ

پاکستان کا مطلب کیا

محمد رسول اللہ

جیوے دیس، جیوے وطن

جگ جگ جیوے پاکستان

پاکستان پاکستان

آڑوؤں اور چناروں کے سایوں میں پلنے والو، سندھ اور چناب کی موجوں سے کھیلنے والو، بیاس اور جہلم کی تروات سے جگر ٹھنڈا کرنے والو، خاک وطن سے اگنے والی فصلوں کے سوداگرو، مری اور سوات کی خنک ہواؤں سے لذت گیر ہونے والو، سربن اور ہمالہ سے اٹھنے والے نسیم سحر کے جھونکوں سے راحت مند ہونے والو

یاد کرو وہ عہد

یاد کرو وہ وعدہ

جس کی تکمیل کے لئے

جوانوں نے اپنے لہو سے بھرے سبو نوش کئے تھے

اور دوشیزاؤں نے اپنی عصمتوں اور عفتوں کی قربانیاں دی تھیں۔

سنو!

ان بہنوں کی چیخیں، نالہ و بکا، گریہ و زاری، کٹے لاشے، پھٹی نعشیں، دریدہ عصمتیں، لرزیدہ عفتیں، گزیدہ عزتیں

تم سے پوچھتی ہیں وطن کہاں ہے۔۔۔۔۔؟

تم سے پوچھتی ہیں اسلام کہاں ہے-----؟

تم سے پوچھتی ہیں وفا کہاں ہے-----؟

خود پاکستان کہاں ہے-----؟

اور پاکستان میں قرآن کہاں ہے-----؟

تمہیں تاریخ کی عدالت میں حاضری دینی پڑے گی، اس سے قبل کہ تاریخ تمہیں کٹہرے میں لاکھڑا کرے کچھ سوچ لو اور کچھ کر لو

مسلم لیگ والو تم بھی

پیپلز پارٹی والو تم بھی

ووٹوں کے سوداگر سیاست دانو تم بھی

محراب دکانوں میں علم فروشو تم بھی

جبوں والو تم بھی، عماموں والو تم بھی

لفظوں کلموں کی رفو گریاں کرنے والو تم بھی

بلوچ اور پنجاب والو!

سندھ اور سرحد والو!

تم بھی اور پھر تم بھی!

کہو بنام مصطفیٰ ﷺ

کہاں نظام مصطفیٰ ﷺ

نہ چھا اکتوبر تیر کا نہ نوا اکتوبر شیر کا

جنوری فروری ایک دو

مارچ اپریل ہفتے دن

اگست اکتوبر وقت زمانے

سب فدا سب قربان
کہو بنام مصطفیٰ ﷺ
کہو بنام مصطفیٰ ﷺ

ایمان بھی یہی ہے، عرفان بھی یہی ہے، دستور بھی یہی ہے، ایقان بھی یہی ہے، ضرورت بھی یہی ہے، امانت بھی یہی ہے، دین بھی یہی ہے اور سچائی بھی یہی ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء: ۶۵)

”سو قسم تیرے پروردگار کی وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے
جب تک کہ وہ آپ کو اپنے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں میں حاکم نہیں مان لیتے
پھر یہ کہ وہ اپنے دلوں میں کوئی بے چینی بھی نہ محسوس کریں
اس پر جو آپ فیصلہ دیں اور بخوشی وہ اسے تسلیم کر لیں“۔

تعجب ہے کہ غلامان رسول ﷺ کے سروں کی لہلہاتی فصل اُگا کر گلشن کے نام نذر کرنے والے جیت جائیں۔۔۔۔۔ سود کو حلال جانیں، اسلامی سزاؤں کو غیر انسانی قرار دیں، تو طعنہ یہ دیا جائے کہ دنیا نے اسلام کو ریجکٹ (REJECT) کر دیا ہے اور اگر ہار جائیں تو الزام کہ دین داروں نے ہمارے ووٹ تقسیم کر دیئے ہیں۔۔۔۔۔ سچائی کس پیڑ پر بیٹھے اور صداقت کو مونڈھا کون دے۔

اہل اسلام!

اہل پاکستان!

اور

اہل عشق!

”پاکستان“ میں نظام مصطفیٰ کے لئے سفر کرنے والوں کا قافلہ جاں مست پا شکست

اور بدن ریخت چٹانوں سے ٹکرایا ہے۔ اب تو ’’اسلام‘‘ کو چرچ کے مکتب کی طرح مسجد کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ یاران نیک خو نے تبرک کے لئے اسلام کا نام لینا بھی ترک کر دیا ہے۔۔۔۔۔ ’’اسلامی شخصیات‘‘ کی سیاست کا مکمل مندہ ہے۔۔۔۔۔ دینی سورما میدان ووٹ زار میں شکست کھا کر زخم چاٹ رہے ہیں۔۔۔۔۔ کلاہ پوشوں اور خانقاہ نشینوں نے دنیوی عزت کا حصار قائم رکھنے کے لئے کفر زدہ سیاست کی حمایت کو باعث فخر جانا ہے۔۔۔۔۔ جامہ فقر میں قناعت کی زندگی بسر کرنے کو اہل صدق و صفا مشکل سمجھ رہے ہیں۔

آئے کوئی مجذوب، بولے کوئی قلندر
مجبوریوں کی رسیاں کاٹ کر۔۔۔۔۔ مصلحتوں کا جامہ چاک کر کے
وہ مجذوب وہ قلندر
جس کی ٹوپی کبھی بکی نہ ہو
جس کی بغلوں سے امریکی تارکول کی بدبو نہ آتی ہو
جس کے عمامے کے پیچوں میں مادیت کا کھردرا پن نہ ہو
جس کی عمر کی چٹختی ہڈیوں میں حرص و ہوا نہ ہو
اسلام حق ہے
قرآن حق اور رہبر و رہنما مصطفیٰ
قوم پوچھتی
ہے
قوم سوال کرتی
ہے
معصوم خواہشیں
معصوم تمنائیں، سلگتے جذبے اور بھڑکتی آرزوئیں

پوچھتی ہیں دنیا والوں سے کہ تم کب تک جوڑ توڑ کی سیاست کا یہ دھندہ کرتے رہو گے۔۔۔۔۔ آخر اس سفر کی کوئی منزل بھی ہے؟۔۔۔۔۔ مسائل کا تمہارے پاس کوئی حل بھی

ہے؟۔۔۔۔۔

نصف صدی گزر چکی ہے۔ تمہاری شمشاد قد جوانیاں بوڑھی لاشیں بن چکی ہیں۔۔۔۔۔ تمہارے چہروں کی لالی تمہاری پیری کی جھریوں میں ڈھل چکی ہے۔۔۔۔۔ تمہارے وجود کا بوجھ قوم کے کندھے اٹھا اٹھا کر تھک چکے ہیں۔

یا تدبیر بدلو!

یا غلطی مانو!

یا دعوے چھوڑو!

یا ٹیڑھے راستوں کو خیر باد کہو!

اور

صراط مستقیم پر آجاؤ!

یہ مال، جاگیر، دھوکہ اور فریب کے وسیلہ سے سیاست کاری کرنے والے۔۔۔۔۔ اسلام کا کام کرنے والو! انتخابات میں تمہیں کبھی جیتنے نہیں دیں گے۔ اپنی قوتیں زائل مت کرو ۔۔۔۔۔ اپنے مال کو سراب گڑھوں میں فضول مت پھینکو۔۔۔۔۔ اپنی شیرازہ بندی کر کے گاؤں گاؤں، گلی گلی، کوچہ کوچہ قرآن کا پیام عام کرو۔

دعوت اٹھاؤ، دل جیتو، غم انسانیت میں سکھ کی سانسیں بنو، ہمت کرو شاید قرآن غالب ہو جائے۔ دین کی بالادستی قبول کر لی جائے۔

مجھے غرض نہیں مولانا فضل الرحمٰن سے

میرا کوئی مطلب نہیں حسین احمد سے

بقول اقبال وہ حسین احمد ہو یا یہ حسین احمد

عجم ہنوز نداند رموز دیں۔۔۔۔۔ ورنہ

میرے مخاطب شاہ احمد نورانی ہیں۔۔۔۔۔!

میں آواز دے رہا ہوں عبدالستار نیازی کو۔۔۔۔۔!

میری آواز کے ساتھ پوری قوم کی آواز شامل ہے۔

تاریخ کی آواز، درد پنہا کی آواز، لمحوں کی آواز اور وقت براں کی آواز۔۔۔۔۔ میں خود پاشکستہ، میری قوم خود گام خجستہ شرمندگیوں کے پسینہ میں نہا کر تمہیں تمہاری شکست پر پرسا دینے آئی ہے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ:۱۵۶)

”اور ہم نے یقیناً اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے“۔

میرے قائدین!

راقم کو نہ نشہ ہے قیادت کا۔۔۔۔۔ نہ خواہش ہے سیادت کی

یہ تو تمہارے ان بولوں پر اب بھی جو نظام مصطفیٰ کا آہنگ بن کر تمہارے منہ سے نکلے تھے، فدا ہے۔ جو میرے بابوں کو گالی دے خاکش بدہن۔۔۔۔۔ جو ان کی توہین کرے آتش بجسد۔۔۔۔۔ خیر ہو تمہاری تم ”قائدین“ تھے، حالات نے تمہیں ”قاعدین“ بنا دیا۔۔۔۔۔ قاعدین کی جماعت کبھی ”قائمین“ نہیں ہو سکتی۔۔۔۔۔ آپ اور ہم سب قاعدین ہیں۔۔۔۔۔ ہمارے پاس کچھ نہیں۔۔۔۔۔ ہم کھو چکے ہیں آباواجداد کی تاریخ۔۔۔۔۔ لوگوں کی محبتوں کا ورثہ۔۔۔۔۔ اب ہمیں آگے لانے والے دنیا میں نہیں۔۔۔۔۔ ہم تنہا ہیں۔۔۔۔۔ اگر یکہ وتنہا رہ کر کوئی نعرہ دیتا ہے تو بولو

دین و دنیا میں کافی

کملی والے کا نظام

جب پیروں کی بیعت، بیعت امامت کی بجائے نفس و نذرانہ ہو جائے۔۔۔۔۔ خانقاہ نشینوں کے بیٹے لادینی سیاست کے ”تلکٹوں“ کا طواف کریں۔۔۔۔۔ مدارس میں سودی زکوٰۃ خور معلمین کی مسندوں پر بیٹھ کر درس امامت وخلافت کی بجائے چھینی وقاضی سے دل بہلائیں

تو پھر

کہو بنام مصطفیٰ ﷺ

کہو بنام مصطفیٰ ﷺ

علما!

مشائخ!

پیران عظام!

آپ ناراحت و ناراض نہ ہوں۔ ہم سب سنگسار ہونے کے قابل ہیں۔ سب سے پہلے مجھے پتھو، اگر یہ احساس جرم ہے تو پھر غور سے دیکھو، تاریخ ہمارے سروں پر جوتے برسا رہی ہے۔

کیا نبی کریم ﷺ کا بھی کوئی حق ہے، اگر ہے تو ہم کتنے وفادار ہیں اور کتنے احساس شناس ہیں۔

کیا یہ کافی ہوگا کہ ہم کہہ دیں:

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

خیال گزرتا ہے کہ اب نعرے نہیں سچا عمل ہی کاروان انسانیت کو متاثر کر سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جو کہا تھا علی وجہ البصیرت کہا تھا۔ آپ ﷺ کی دینی تحریک میں ”نصب العین“ معین تھا اور اس تک پہنچنے کی راہیں واضح اور صاف دکھائی دیتی تھیں۔ آپ ﷺ نے نہایت منظم طریقے سے کفر اور باطل کے خلاف طاقت بندی کر کے ایک مضبوط تحریک اٹھائی تھی ـــــ موجود مخالف قوتوں کو دبانے کے بعد آپ ﷺ جانتے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ مدنی ریاست میں آپ ﷺ کا ایک ایک اقدام روشنیوں کا خالق ثابت ہو رہا تھا۔ لیکن اس کے برعکس ہمارے ہاں دینی قوتیں بکھری ہوئی ہیں ـــــ منزل کا عرفان نہیں، وہ نہیں جانتے کہ انہیں کرنا کیا ہے ـــــ اسلام کے نام پر ہیجان آفرینی کی جاتی ہے۔ اسلامی اور دینی قوتوں کی یہ اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ مل کر سوچیں کہ عصر جدید میں ”تنفیذ شریعت“ کی عملی صورت کیا ہوگی۔ ”پولیس تھانوں سے لے کر ایوانوں تک“ تطہیر کا عمل کیسے جاری ہوگا ـــــ کسی معین

ہدف پر اگر تیر نہ پھینکے گئے تو قوتیں زائل ہوتی رہیں گی اور سوائے ضیاع وقت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

نصب العین کے فکری اور عملی نکھار کے بعد ہی زوردار تحریک مفید ثابت ہوگی اور اگر دینی لوگ یہ مرحلہ اتحاد و اتفاق سے طے کرلیں، تو انتخابی سیاست کی بجائے تحریکی سیاست ان کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

وہ اقتدار میں آنے والوں کو ہر اچھے اور احسن کام کے لئے مجبور کرسکیں گے اور اگر بالفرض انتخابی راہ ہی وہ ناگزیر سمجھتے ہیں تو پھر اتحاد کے بغیر اور قوت منظم کئے بغیر ہدف تک رسائی ناممکن ہوگی اور دوسرے سیاست دانوں کی طرح ان کی کوششیں رائیگاں جاتی رہیں گی، کم از کم دینی لوگ مل کر اتنا ہی کرتے رہیں کہ ہر انتخابی نشست پر خاص ووٹ حاصل کرلیں بالآخر ان کی وجہ سے شکست کھانے والی جماعتیں مجبور ہوکر اقتدار کی کرسی تک پہنچنے کے لئے ”اسلام“ کی بالادستی کے لئے تیار ہوجائیں گی، لیکن اس کڑوے گھونٹ کے معدے میں اترنے تک ضروری ہوگا کہ دینی لوگ اپنا تشخص قائم اور برقرار رکھیں۔ وہ محض کرسی کی جنگ میں اپنی بصیرتوں اور فراستوں کو عصبیت کی بھینٹ نہ چڑھائیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ انتخابی سیاست میں دینی قوتوں کا اتحاد ہمیشہ شکست ہی سے دوچار ہو، مسلسل محنت سے جیت کی منزل بھی حاصل کی جاسکتی ہے، لیکن یہاں تک پہنچانے والی راہ میں ابھی کانٹے اگے پڑے ہیں، گہرا اندھیرا ہے، گھپ وادیاں ہیں، خطرناک گڑھے ہیں، خوفناک درندے ہیں، مایوسیاں ہیں، لیکن افق کے اس پار ایک روشن صبح کے آثار پھوٹ رہے ہیں۔

آؤ مل کر پکاریں اللہ اکبر
شاید کوئی سوئی ہوئی روح جاگ جائے

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنے مسلک کا پاسباں ہو جا

معزز حضرات علماء کرام!

مشائخ عظام!

غلامان رسول!

اللہ تعالیٰ کا بے شمار ان گنت شکر ہے کہ اس نے آج ہمیں اس تاریخی مقام پر ایک تاریخ ساز مقصد کے لئے جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ میرا شکر و سپاس نامکمل، پھیکا اور ادھورا رہے گا اگر میں وجہ تکوین کائنات رسول اکرم ﷺ حسن صورت و سیرت کو یاد کر کے درود و سلام نہ پڑھوں۔

حضرات!

یقین جانیے! میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں ان حوصلوں کو خراج پیش کروں جنہوں نے آج کی اس عظیم سنی کانفرنس میں ناامیدی کے اندھیروں کو دھکیل کر نورستان کی نظارہ بندی کی ہے۔ ہمیں مکمل احساس ہے کہ یہاں لوگ بہت تکلیفیں جھیل کر، مصیبتیں سہہ کر پہنچے ہیں۔ راہ وفا میں ان کی آبلہ پائی یقیناً رنگ لائے گی۔ دل کی دھڑکنوں سے آپ سب کے لئے دعائیں نکل رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ خلوص اور قربانیاں قبول فرمائے اور قوم و ملت کو منزل کی وہ روشنی نصیب فرمائے کہ ہم سب کی تھکان دور ہو جائے۔

آج کی اس کثیر المقاصد اور عظیم سنی کانفرنس میں بڑے بڑے لائق مفکرین، عظیم علماء اور سیمیں سخن خطباء نے خطاب فرمائے، کوئی کہنے کی بات ایسی نہیں چھوڑی کہ ہم ایسے بے بضاعت لوگ آپ کی سمع خراشی کریں۔

اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

آیئے!

سراغ لگاتے ہیں تسخیر کائنات کی شاہ کلید کا۔

میرا ایمان ہے فطرت نے سب کچھ محبت میں رکھا ہے۔

محبت ہی محبت
اپنے اللہ سے محبت
اللہ کے پیارے رسول ﷺ سے محبت
پیارے رسول ﷺ کے سینہ اطہر پر نازل ہونے والی کتاب قرآن حکیم سے محبت
رسول ﷺ محبت کے محب و محبوب اہل بیت سے محبت
مرکز محبت رسول ﷺ کے جاں نثار وفا شعار اصحاب سے محبت
مصدر محبت رسول ﷺ کے دین محبت کی مٹھاس اور خوشبو چاردانگ عالم میں پھیلانے والے اولیائے کرام سے محبت
اور پھر محور محبت رسول ﷺ سے منسوب ہر ادا، ہر عمل، ہر لفظ، ہر سوچ، ہر فکر، ہر چیز اور ہر شے سے محبت۔

یہ ہے اسلام کی جمالیاتی تعبیر جسے اہل جہاں مسلک محبت اہل سنت وجماعت کے پیارے نام سے جانتے ہیں۔ سنی اور مسلمان الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی معنی اور مفہوم کے لئے بولے جانے والے مترادفات ہیں۔ سنی یا اہل سنت کا لفظ بھی آج کی ایجاد نہیں بلکہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے دور ہی میں جب کچھ لوگوں نے ذات رسول ﷺ کو چھوڑ کر فقط قرآن ہی میں اسلام کو سمجھنا چاہا اور قرآن ہی کو اپنی شناخت ٹھہرایا تو امام حسن ؓ نے فرمایا کہ ''نحن علی سنة و جماعته '' کہ ہم تو رسول ﷺ کی سنت اور ان کے اصحاب کے طریقے پر ہیں۔ اہل سنت

وجماعت کا نام اسی قول مبارک سے ماخوذ ہے۔ خود سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی "ید اللہ علی جماعتہ" "اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے، اس نام کے لئے برکتوں کا ذریعہ ہے، مگر ہم آج کے دور میں اسلام کے نام پر مختلف گروہوں اور فرقوں کے اعتقادات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو عظمتِ توحید کی بات کرتے ہیں مگر اس لہجے میں کہ عظمتِ رسالت کا انکار ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ حب اہل بیت کی بات کرتے ہیں مگر اس رنگ میں کہ ناموس صحابہ کا انکار ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ عظمت صحابہ کی بات کرتے ہیں مگر اس ڈھنگ سے کہ توقیر اہل بیت کا انکار ہوتا ہے، لہٰذا ان گروہی اور فرقہ وارانہ گمراہ کن سوچوں کے مقابلے میں ایک ہی اجتماعی اسلامی عقیدہ ہے جو سب سے محبت کا درس دیتا ہے۔ اس لئے اس کے حامل افراد گروہ یا فرقہ نہیں بلکہ جماعت کہلاتے ہیں اور انہی کا نظریہ "مسلک محبت" کہلاتا ہے۔ رسول محبت ﷺ کے ارشاد نور "میری اُمت کبھی گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی" کا فیض ہے کہ آغاز اسلام سے آج تک اُمت مسلمہ کی غالب اکثریت ہمیشہ اسی مسلک محبت پر کاربند رہی ہے۔ تاریخ اسلام نے جتنے مشاہیر اور رجال عظیم پیدا کئے ہیں، سب کا تعلق اسی فکر محبت سے رہا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک، سیدنا غوث الاعظم، داتا گنج بخش علی ہجویری، سیدنا بہاؤ الدین نقشبند، سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی، سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، امیر خسرو، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت فضل حق خیر آبادی اور حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہم سب اسی مسلک محبت اہل سنت کے افق کے تابندہ ستارے ہیں۔ ہمارے وطن پاکستان میں ہر طرح کی سوچ اور فکر رکھنے والے لوگ موجود ہیں مگر اللہ کریم کا شکر ہے کہ یہاں بھی مسلمانوں کی غالب اکثریت اہل سنت وجماعت ہے۔ کچھ تو اقلیتیں اپنے تحفظ کی فکر کی وجہ سے ہمیشہ منظم ہوتی ہیں اور کچھ آج کل بیرونی حکومتوں کے سرمائے نے ان کو منظم اور متحرک بنا رکھا ہے اگر ان کا تحرک اسلام ہی کی سربلندی کے لئے ہوتا تو کوئی بات بھی تھی، مگر افسوسناک امر یہ ہے کہ سب کا ہدف

نظریاتی، تنظیمی اور تحریکی طور پر اہل سنت کو کمزور کرنا ہے۔ دریں صورت انتہائی ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی اکثریتی جماعت کے افراد اپنے آپ کو منظم کریں، ویسے بھی جب تک غالب اکثریت اسلام کی حقانیت اور کفر والحاد کی بیخ کنی کے لئے تیار نہیں ہوتی دوسرے گروہوں سے یہ کار عظیم پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی فکر کے پیش نظر اسلامیان پاکستان کے اجتماعی نظریات کی حامل تنظیم جماعت اہل سنت تشکیل دی گئی۔ ابتدا میں غزالی زماں حضرت مولانا سید احمد سعید کاظمی، مولانا حامد علی خان اور شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہم اس کے روح رواں تھے۔ اب اس کی قیادت ملک کے نامور اور مقتدر علمائے کرام فرما رہے ہیں۔ جماعت اہل سنت کی چند سالوں کی تگ و تاز کا نکتہ عروج عظیم الشان ''کل پاکستان سنی کانفرنس'' ہے۔ سنی کانفرنس میں شمع رسالت کے لاکھوں پروانوں کا ہجوم محض مچلتے جذبوں کا اظہار نہیں بلکہ کفر والحاد کا زور توڑنے، حب رسول ﷺ کی دعوت کو عام کرنے، مقام مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ، نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ اور وطن عزیز پاکستان کے استحکام کی منظم فکری تحریک کا شعوری آغاز ہے۔ اپنے معاشرے اور پوری دنیا میں غلبہ دین کی منزل مراد کو سر کرنے کی مربوط منصوبہ بندی ہے۔ سنی کانفرنس میں شریک ہر فدائی رسول ﷺ کو اپنے سنی ہونے پر فخر کرنا چاہیئے اور ہر جگہ اپنی اس نسبت کا اظہار بھی کرنا چاہیئے اس لئے کہ اچھی اور پاکیزہ نسبتوں کا ہمیشہ اظہار ہوتا ہے اور بُری اور مذموم نسبتیں ہمیشہ چھپائی جاتی ہیں۔ سنی ہونا تو اپنے آپ کو داتا ہجویری، خواجہ اجمیری، بابا فرید اور سلطان باہو ایسے پاکباز بزرگوں کا غلام ظاہر کرنا ہے۔ کون کافر ہوگا جو ان اولیاء کرام کی محبت میں زندگی اور ان ہی کے ساتھ اپنی آخرت کو وابستہ نہیں کرے گا۔ اس لئے سنی کانفرنس سے جانے کے بعد ہر سنی کو چاہیئے کہ برملا ہر جگہ اپنے سنی ہونے کا اظہار کرے۔ کانفرنس سے جاتے ہوئے ہر غلام رسول کو جماعت اہل سنت کے اہداف ایک سبق کی طرح یاد کر لینے چاہئیں تا کہ وہ اپنی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق ان کے حصول کے لئے تگ و تاز کر سکے۔

جماعت اہل سنت کے اہداف

فکری ہدف:

بین الاقوامی سطح پر کفر کا زور توڑنا اور غلبہ اسلام کی منظم تحریک اٹھانا۔

روحانی ہدف:

حب رسول ﷺ کی دعوت تمام انسانی حلقوں تک عام کرنا۔

سیاسی ہدف:

استحکام پاکستان اور نفاذ نظام مصطفیٰ ﷺ کے لئے ذہن سازی کرنا۔

سماجی ہدف:

معاشرتی برائیوں کے خاتمے اور خدمت خلق کے فروغ کی کوشش کرنا۔

اصلاحی ہدف:

گمراہ کن عقائد کی اصلاح، فرقہ واریت کی بیخ کنی، جاہلانہ رسوم کی تطہیر اور حب رسول ﷺ کی روشنی میں عامتہ الناس کے لئے دینی دعوت کا اہتمام کرنا۔

تعلیمی ہدف:

قدیم وجدید علوم کے مدارس، سکولز، کالجز اور یونیورسٹیاں قائم کرنے کی سعی کرنا۔ ماہرین تعلیم سے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق نصاب تیار کرانا۔

عملی ہدف:

باطل اور طاغوت کے خلاف بھرپور جہاد کرنا۔

تنظیمی وتحریکی ہدف:

وطن عزیز کے گاؤں گاؤں، قریہ قریہ، بستی بستی اور شہر شہر میں جماعت اہل سنت کی تنظیم

سازی کرنا نیز پاکستان بھر کی تمام سنی تنظیموں اور تحریکوں کا عملی اشتراک قائم کرنا۔

عالمی ہدف:

دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کرنا۔ دنیا بھر میں کام کرنے والی سنی تنظیموں، تحریکوں سے رابطہ کرنا۔

حضرات!

آپ نے باہمی محبت، الفت اور یقین کے ساتھ جماعت اہل سنت کی صورت میں جو چراغ روشن کیا ہے، یہ آپ کی گہری فراست، عمیق بصیرت اور دور نظری کا بلند پایہ ثبوت ہے۔ جماعت اہل سنت آپ کی جماعت ہے، اس عظیم اُمت کی فقید المثال جماعت، نسل نو کا تاریخی ارتباط اور زندہ اقدار کا انمٹ نقش جمیل ہے۔ جماعت اہل سنت کی ساری جدوجہد کا مرکز و محور چند سچے اور سُچے عقیدے، انقلاب آفریں تحریکی اعمال اور نتیجہ خیز معاشرتی رویے ہیں۔ یہ سرمایہ ہے جو جماعت اہل سنت کی پہچان ہے۔

جماعت اہل سنت نے جن مایوس کن حالات میں سنی کانفرنس کا انعقاد کیا ہے ان کا مطالعہ اور ادراک آپ ایسے درد دل رکھنے والے احباب کے لئے مشکل نہیں۔ عالمی سطح پر غلامان رسول ﷺ جن پریشانیوں اور اضطراب کا شکار ہیں، ان میں کفر کا زور پکڑ جانا، عالمی ذرائع ابلاغ کا فحاشی اور عریانیت کی حیا سوز وکالت کرنا، زرخرید ذہنوں کی ریاستی اور سیاسی زندگی کو جدید شیطانی ہتھکنڈوں سے محکومیت کا شکار بنانا، مسلم عوام کو معاشی حیلوں اور مادی حربوں سے مکمل طور پر مفلوج کر دینا اور اس پر مستزاد کشمیر، فلسطین، بوسنیا اور ان ایسی درجنوں ریاستوں میں مسلمانوں کا قتل عام، کم پریشان کن مسائل نہیں۔ ایسے میں آپ خود سوچیں جماعت اہل سنت کی ترجیحات کیا ہونی چاہئیں؟ اس کی عملی جدوجہد کا دوٹوک لائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے؟ کسی درخت کی آبیاری اس کی جڑوں کو کاٹ کر نہیں کی جا سکتی۔ جماعت اہل سنت کا اولین ہدف دنیا بھر میں مسلمانوں کے وقار اور آبرو کی بحالی ہے۔ ہم خود کو منظم کر کے کفر کے زور کو توڑنے کی فکر رکھتے

ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ فرد کی اصلاح کے بغیر صالح اور جری معاشرہ کی تشکیل ناممکن ہے اور کفر کے خلاف جانگسل تگ وتاز کے لئے معجزانہ کردار از حد ضروری ہے، لیکن یقین جانیے ہماری صفوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ سجیلے جوان ہیں، پاکیزہ شخصیتیں ہیں، تقویٰ کے زیور سے آراستہ مشائخ ہیں، راہ وفا میں جان دینے والے سپاہی ہیں، نور فراست میں ڈھلے قلم کار ہیں، علم کے موتی رکھنے والے علماء ہیں، دین مصطفیٰ ﷺ کے لئے سب کچھ وار دینے والے اہل مروت ہیں۔ لکھاری، خطیب، نابغہ، عبقری، محقق، مدقق، مفسر، محدث وہ کون سی دولت ہے جو اللہ رب العالمین نے ہمیں نہیں عطا فرمائی۔ دراصل جدو جہد کے رخ متفاوت ہیں۔ انہیں ایک سمت لگانے کی ضرورت ہے، ان کا رُخ معین کرنے کی محنت درکار ہے گویا ایک فکری اور روحانی تحریک کی ضرورت ہے جو بندگی خدا اور عشق رسول ﷺ کی روشنی میں ان تمام قوتوں کو باطل کے خلاف انقلابی کشمکش پر آمادہ کردے، اگر جماعت اہل سنت نے یہ کام کرلیا اور آپ نے یہ عظیم کام کرنے میں جماعت کی مدد کی تو یقین رکھیے وہ دن دور نہ ہوں گے جب یہودیوں عیسائیوں اور کافروں کی قوت کے سرچشمے اللہ رب العالمین اور حضور ﷺ کی زلف ناز کے صدقے تمہارے قبضے میں دے دے گا۔

میں مطمئن ہوں اگرچہ خراب ہے ماحول
خزاں کے بعد کا موسم بہار ہوتا ہے

جماعت اہل سنت بہت اچھی طرح اس بات کا بھرپور احساس رکھتی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی اصلاحی، تعمیری، انقلابی اور نتیجہ خیز کام افراد کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں۔ خصوصا دیکھا جائے تو ہماری جماعت میں خانقاہی وابستگیوں نے ذوق وشوق کا اساسی مواد تو ہمارے کارکن کو دیا ہے لیکن جماعتی اساس اور انقلابی کردار کے تقاضے ہنوز تشنہ تکمیل ہیں، فلہٰذا جماعت اہل سنت روحانی تربیتی کام کو ہر کارکن کے ذوق کے مطابق مشائخ کے سپرد کرتی ہے اور خود پیری مریدی کی روایت سنبھالنے کی بجائے توحید، رسالت اور فکر آخرت کے سنہرے اصولوں کی روشنی میں ذہین،

دانشمند، دردمند اور انقلابی سنی پیدا کرنے کی فکر رکھتی ہے، البتہ ذوق شوق اور بیدار روحانی اقدار کی نمو کے لئے ہم تمام سلاسل تصوف کے اصولوں سے بہرہ مند ہونے کی ترجیحات پر قائم ہیں۔

یہ عظیم کام کیسے کیا جائے؟ اس سلسلہ میں جلیل القدر مشائخ، عظیم الشان علماء اور عبقری مفکرین خصوصاً تنظیم المدارس، جامعہ محمدیہ غوثیہ اور دیگر منظور شدہ مدارس کے مبلغین سے استفادہ ہمارا حق ہوگا۔ یہ اس لئے بھی عرض کیا گیا کہ مدرسہ وخانقاہ کے تعاون کے بغیر تربیت کم ازکم نہیں ہوسکتی۔ جماعت اہل سنت تعلیمی اور تربیتی انقلابی اصلاحات کا ایک واضح لائحہ عمل رکھتی ہے جسے بعض حکمتوں کی بنا پر تفصیل کے ساتھ یہاں زیر بحث نہیں لایا جاسکتا تاہم ایک اعلان آپ کے لئے باعث صد مسرت ہوگا کہ جماعت اہل سنت وقتاً فوقتاً تربیتی کیمپ لگانے کا اہتمام کرے گی۔ تمام سنی عموماً اور جماعت اہل سنت کے ضلعی امراء اور ناظمین اعلیٰ خصوصاً ان کیمپس کو کامیاب بنانے کے لئے تعاون فرمائیں۔ اس سلسلہ کا پہلا تربیتی کیمپ اس رمضان المبارک میں منعقد ہو گا۔ اُمید ہے آپ اس کیمپ میں بھرپور شرکت فرمائیں گے۔ دعا فرمائیں! ہمارے ان اقدامات کا نتیجہ ہماری سنی ملت کے لئے بہتر ہو۔ اس تمام تربیتی کام کی تنظیم کو بعد میں کسی وسیع اکیڈمی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ دیر یا سویر ہمیں اس انقلابی نتیجہ خیز کام کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔

مشائخ، علماء اور میرے نہایت قابل احترام بھائیو!

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ کمپیوٹر اور میزائل کا دور ہے۔ اب دست بدست لڑائی کی مشقوں کی جگہ فضائی رصد گاہوں اور تیز ذہنی صلاحیتوں نے لے لی ہے، اب پنجہ آزمائی کم اور فکر آزمائی زیادہ ہوتی ہے۔ جس جماعت کا فکری نظام مضبوط رصد گاہ رکھتا ہو وہ عمل کی جولانگاہ میں بہت آگے نکل جائے گی۔ یہ ہماری بدقسمتی نہیں کہ ملک کی سب سے بڑی جماعت کے پاس اپنا ذاتی دفتر بھی نہیں جبکہ ایک فعال سیکریٹریٹ کی ضرورت اپنی جگہ تڑپ رہی ہے۔ ذاتی طور پر میں جماعت کے کسی متحرک منصب پر فائز نہیں وگرنہ میری اولین ترجیح قیام سیکریٹریٹ ہوتی تاہم حالات کتنے بھی ٹھنڈے کیوں نہ ہوں انشاء اللہ ہم مایوس نہیں۔ آج لاکھوں آنکھیں آپ کے

جذبوں کا تماشہ بھی دیکھ رہی ہیں اور ساتھ ان کرم فرماؤں کی مساعی جمیلہ بھی ملاحظہ فرما رہی ہیں جو ہاتھ میں کلہاڑا پکڑ کر جماعت کے وجود کو ریزہ ریزہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر ہم اپنے ان محسنوں سے بچ نکلے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ کے فضل، حضور ﷺ کی نظر اور آپ کے تعاون کے ساتھ اس سہ سالہ میں ہم سیکریٹریٹ قائم کر کے دم لیں گے۔

دیہاتوں، قصبوں اور شہروں میں آپ کے فکری، عملی اور تحریکی روابط آپ کے مذہبی وجود کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ”کل پاکستان سنی کانفرنس“ اس عظیم ہدف تک رسائی حاصل کرنے کے لئے یہ لائحہ عمل تجویز کرتی ہے کہ ہر ضلع ضلعی سطح پر، تحصیل تحصیلی سطح پر اور ہر جماعت کا یونٹ اپنے دائرہ کار کے اندر آج ہی سے جا کر محبت رسول ﷺ کانفرنس منعقد کرنے کا کام شروع کر دے۔ اس سے ہمارے فکری اور ایمانی ہدف کے پرچار کو جہاں قوت ملے گی وہاں ہماری تنظیم خود بخود فعال ہو جائے گی، ساتھ ہی معذرت چاہتے ہوئے میں اپنے ضلعی امراء اور ناظمین سے گزارش کروں گا کہ قیادت امانت ہوتی ہے آپ اسے امانت سمجھ کر ہی قبول فرمائیں اور محنت فرمائیں مخلص قیادت ہی کسی جماعت میں پائیدار لائحہ عمل کی تنفیذ کی ضمانت ہوتی ہے، اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ اس کا وجود جماعت کے لئے نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے تو وہ خوف خدا سے خود ہی جماعت کو اپنی سستی اور کاہلی کے عمل سے محفوظ رکھے۔ انشاء اللہ ہم اور آپ اگر اخلاص سے چلے تو منزل زیادہ دور نہیں۔

آپ جانتے ہیں، بہت خوبصورت درخت بھی ہو اور اسے جڑوں میں پانی نہ ملے تو وہ سوکھ جاتا ہے، ہم اور ہماری جماعت قائم ہیں تاجدار نبوت ﷺ کی محبت اور پیار سے۔ یہ ہمارا اساسی سرمایہ ہے اسے ہرا بھرا رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ذکر اللہ اور تلاوت کتاب کے ساتھ اپنے حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کو ایمان بنالیں اور ہر شخص یہ کرے کہ وہ ہر روز اگر ممکن نہ ہو تو ہر ہفتے گھر میں محفل درود و سلام سجائے۔ یہ عمل تمہاری اور میری جماعت کی روحانی بقا کی ضمانت ہو گا۔ اگر ہر گھر میں ہم درود و سلام کے نغموں سے آقا و مولیٰ کی محبت کی دھوم مچا دیتے ہیں تو ایمان رکھیے

ترقی کا اس سے بہتر لائحہ عمل نہیں ہوسکتا۔

حضرات!

نظریاتی تصلب قوموں کی جان ہوتا ہے جب تک اعلیٰ حضرت، محدث اعظم اور مولانا عمر اچھروی اور شیخ القرآن عبد الغفور ہزاروی ایسی شخصیتیں ہم میں موجود تھیں کسی گستاخ رسول کو برداشت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ اپنے ایمان کو بچائیں، اپنی عرفانی زندگی کی حدود کی حفاظت کریں، نظریاتی سلطنت میں ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کو داخل نہ ہونے دیں۔ حضور ﷺ سے محبت کرنے والوں سے محبت کرنا اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا آپ کا دینی فریضہ ہے، اس سے غفلت جماعت کو کمزور کرے گی۔ ہم سب کو اس جرم عظیم سے بچنا چاہیے۔ آپ اعلیٰ حضرت کا یہ درس کبھی زندگی میں فراموش نہ فرمائیں:

"آل پاکستان سنی کانفرنس" میں اگر ایک بات کا میں اعادہ نہ کروں تو میرا ضمیر ہمیشہ مجھے ڈستا رہے گا اور وہ ہے نظام مصطفیٰ ﷺ کی عملی تنفیذ۔ ہمارے نزدیک نظام مصطفیٰ ﷺ وسیع، ہمہ گیر، انسانیت پرور اور غریب نواز قدروں کے احیاء کا نام ہے اگرچہ سیاسی سطح پر ہم سمجھتے ہیں کہ جماعت اہل سنت کی محدود جدوجہد شاید ہمیں اتنے بڑے کام کا ماحول فراہم نہ کرے، لیکن یقین جانیے جب تک ہماری جماعت اس عظیم مقصد کے لئے ذہن سازی نہیں کرتی نظام مصطفیٰ ﷺ کی بنیادیں پوری دنیا میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً مستحکم نہیں ہوسکتیں۔ جماعت دنیا بھر میں نافذ کالے قانون پر پریشان اور مضطرب ہے۔ دنیا میں ہر روز پیدا ہونے والے نئے نئے فتنوں پر تشویش رکھتی ہے۔ ہم اپنی گلیوں سے لاشوں کے ڈھیر اور انسانی جسموں کے چیتھڑے اٹھا اٹھا کر تھک گئے ہیں۔ غریب اور مسکین معاشرہ جس طرح بلک رہا ہے وہ کسی دردمند آنکھ سے مخفی نہیں۔ جماعت اہل سنت کے نزدیک دینی انقلاب کی اہم ترین ضرورت معاشی اور اقتصادی بدحالی کی ترفیع ہے۔ سیاست دان جس طرح شیطانی نظام کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں، ایک مذہبی جماعت اس پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے چند سفارشات پیش کرتی ہے۔ دیر یا سویر کسی دینی انقلابی کو یہ کام

کرنے ہوں گے۔

1۔ تمام اندرونی و بیرونی قرضہ جات فی الفور ادا کئے جائیں۔ دوسروں کے چبائے ہوئے لقموں پر جگالی نہیں کی جاسکتی۔ یہ وہ ہدف ہے جس کے بغیر سودی معاشرہ ختم نہیں ہوسکتا۔ اگر اس کے لئے چند دن بھوک بھی کاٹنی پڑے تو ہمیں دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کا پہلا انقلابی قدم یہی ہوسکتا ہے اس کے بغیر معاشی انقلاب جدید دور میں ناممکن ہوگا۔

2۔ نظام مصطفیٰ ﷺ کا صاف مطلب بھوکے، ننگے، غریب اور بے روزگار انسانوں کی معاشی کفالت ہے۔ کم از کم ہر بے روزگار انسان کو 1000 روپیہ ماہانہ وظیفہ ملنا چاہیئے۔ اگر تم بھوک کا سدباب نہ کرو گے تو بھوکے ننگے انسان ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچیں گے۔

3۔ قوم کے تمام بچوں کو تعلیم کا یکساں ماحول فراہم کیا جائے۔ اونچ نیچ نفسیاتی مسائل پیدا کرتی ہے اور کرے گی۔ تمہارا ناقص نظام تعلیم خچر اور گھوڑے پیدا کر رہا ہے۔ آؤ! مصطفائی نظام تعلیم اپنائیں اور اچھے انسان، اچھے مسلمان پیدا کریں۔

4۔ عدل وانصاف قوموں کی عمر کا پیمانہ ہوتا ہے، کوئی قوم جتنا سستا اور فی الفور انصاف فراہم کرتی ہے افق حیات پر وہ اتنی ہی زیادہ جگمگاتی ہے۔ مقدمات کے فیصلے عدل سے کرنا اور فوری کرنا یہ نظام مصطفیٰ ﷺ کا اہم حصہ ہے۔ عدالتیں فوجداری مقدمات زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کی مدت میں نمٹائیں۔

5۔ پوری دنیا ٹیکسوں کے فرسودہ نظام کی لپیٹ میں آئی ہوئی ہے۔ اگر تاجر برادری کو یونہی تنگ کیا گیا تو بازار اور منڈیاں بے اعتمادی کے اندھیروں میں ڈوب جائیں گی۔ نظام مصطفیٰ ﷺ موجودہ ٹیکسز کے نظام کو ٹھپ کر کے بیت المال کا حسین نظام دیتا ہے جس میں اسلامی معاشی مداخلت استقرار نظام کے لئے کفایت کرتی ہے۔ ہم فی الوقت بالواسطہ ٹیکسوں کی لعنت کو ختم کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔

6۔ حکمرانی کے لئے تقویٰ، ایمان اور شرافت کے ساتھ ساتھ نظام مصطفیٰ ﷺ یہ بھی تجویز کرتا ہے کہ حکمرانوں کا معیار زندگی عام آدمی سے زیادہ نہ ہو۔

7۔ حکومت کے تسلط میں آبی اور بارانی لاکھوں ایکڑ زمین بیکار پڑی ہے۔ قومی وسائل کا یہ اندھا استعمال ملت دشمنی کے مترادف ہے۔ یہ زمین صنعت کاروں، جاگیرداروں اور حکومت کے خوشامدیوں کو دینے کی بجائے غریب کسانوں میں بانٹی جائے۔ ظاہر ہے اس سے ملکی معیشت مضبوط ہوگی۔ جماعت اہل سنت نظام مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں زرعی اصلاحات کا ایک جامع منصوبہ رکھتی ہے اگر سیاست دان چاہیں تو جماعت سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ جماعت اہل سنت ملک میں دو امارتی نظام کی بجائے خلافت راشدہ کی طرز کا نظام تجویز کرتی ہے۔

آل پاکستان سنی کانفرنس کے وسیلے سے ایک ضروری نکتہ کا ابلاغ ضروری سمجھتا ہوں اور وہ رسم ورواج کی اصلاح ہے۔ وہ لوگ جو قدم قدم پر ہمیں بدعتی اور مشرک ایسی رکیک گالیاں دیتے ہیں، وہ جانتے سمجھتے ہوئے بعض غیر شرعی امور کو خواہ مخواہ اہل سنت کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ ہمیں ہمارے خطباء، علماء اور مشائخ کو چاہیئے کہ اس طرف خصوصی توجہ دیں اور توازن اور تناسب کے ساتھ اپنے خطبات میں اصلاح رسوم کی تحریک اٹھائیں۔ اگر ہو سکے تو اپنی مسجد میں قرآن وسنت کا باقاعدہ درس دیا جائے۔ یہ خود بخود تزکیہ نفوس کی راہیں ہموار کردے گا۔ اگر آپ سوچیں تو یہ برصغیر پاک وہند میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں اسلام صوفیاء کرام نے پھیلایا۔ ان کے پاس مضبوط ترین اسلحہ انسان دوستی، اخلاق عالیہ، غریب پروری اور پاکیزہ کردار تھا۔ اسی سے انہوں نے تسخیر کائنات کی۔ آؤ! تھوڑی توجہ ہم اپنے اپنے اجتماعی اور انفرادی کردار کی طرف دیں، شاید اس طریقے سے ہم اپنے مسلک کی پاسبانی بہتر طریقے سے کرسکیں۔ غلط رسموں، حسد، رقابت، بدخواہی، سوئے ظنی سے عملی نجات ہی ہماری کامیابیوں کی ضمانت ہوگی۔

جماعت اہل سنت کا دیگر سنی تنظیموں سے رویہ ”محبت دو اور محبت لو“ کے اصول پر کارفرما

ہے۔ مختلف شعبہ ہائے حیات میں کام کرنے والی تنظیمیں اگر جماعت اہل سنت سے رابطہ استوار رکھیں تو ہم اپنے دینی کاموں کو بہتر طریقے سے بانٹ کر کر سکتے ہیں۔ اس طرح زیادہ کام کم وقت میں ہونا ممکن ہوگا۔ اس کے لئے ''سنی پارلیمنٹ'' کی تجویز زیر غور ہے، آپ سب کا تنظیمی تعاون ہی اس عظیم ہدف تک رسائی کی بنیاد بن سکتا ہے۔ جہاں تک غیر سنی تنظیموں کا تعلق ہے تو ہم کسی بھی گروپ سے جھگڑا لڑائی پسند نہیں کرتے۔ ہمارا ایمان ہے محبت ہی محبت لیکن محبت کو زیادہ تنگ کیا جائے تو اس کی چوٹ برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتی ہے۔ ایسے لوگوں سے گزارش ہے کہ صلح ہی دین کی راہ اور پاکستان کے استحکام کی ضمانت ہے۔

عظیم الشان سنی کانفرنس کے عالی قدر شرکاء!

آپ شیخ طریقت ہیں یا رہبر شریعت۔ آپ خانقاہ کی رونق ہیں یا منبر و محراب کی زینت۔ آپ شاعر ہیں یا ادیب۔ آپ ڈاکٹر، انجینئر ہیں یا وکیل، آپ صنعتکار ہیں یا مزدور، آپ بڑے تاجر ہیں یا چھوٹے دوکاندار، آپ زمیندار ہیں یا کسان، آپ استاد ہیں یا طالب علم، آیئے! ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ جماعت اہل سنت کے کاروان خیر میں شریک ہو جایئے جس راستے پر چلتے ہوئے لاکھوں اولیاء کرام نے اپنی زندگیاں گزاری ہیں، اسی راستے پر چلتے رہیئے۔ گلی گلی، محلے محلے، جماعت اہل سنت کے دفاتر قائم کر کے مرکز سے وابستہ کیجیئے۔

یاد رکھیئے! آپ کی چند گھڑیوں کی قربانی ملت کا مقدر سنوار سکتی ہے۔

کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ کفر والحاد اور مادہ پرستی کو فروغ ملتا رہے۔ اسلامی تہذیبی اقدار کو مٹایا جاتا رہے۔ بے حیائی، بے راہروی اور جنسی آوارگی کو ہوا دی جاتی رہے، گستاخان رسول دیدہ دلیریاں کرتے رہیں۔ اولیائے کرام کے مزارات کو مسمار کر دینے کی سازشیں تیار کرنے والے اپنی قوت بڑھاتے رہیں، یقیناً آپ کبھی بھی ایسا نہیں چاہیں گے تو پھر دیر نہ کیجیے جلد از جلد جماعت اہل سنت کے قافلہ محبت کے ساتھی بنئے اور پھر دوسرے انسانوں کو بھی نفرت کے جہنم زاروں سے نکال کر محبت کے گلزاروں میں لے آیئے۔

تو امین غم محبت ہے
بے نیاز غم جہاں ہو جا
تیرا مسلک غم محبت ہے
اپنے مسلک کا پاسباں ہو جا

(ترجمہ: شاہ عبدالطیف بھٹائی)

سید ریاض حسین شاہ

سینئر نائب صدر جماعت اہل سنت پاکستان

30 اکتوبر 1996ء مینار پاکستان، لاہور

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

زندگی کی کٹھن، تلخ اور پر پیچ راہوں پر چلتے ہوئے روشنیوں کی تلاش میں سرگرداں کاروانِ انسانی جب گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوب جائے تو ہر دانش مند انسان اپنے آپ کو ذرہ ناچیز تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خطاؤں اور کبائر کی جہانگیر کالک اور ہمہ گیر سیاہی روشنی کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیتی ہے۔ افق تا افق دیکھتے جائیے، باہر دیکھئے اندر جھانکئے، اوپر نظر کیجئے نیچے نگاہ ڈالئے، عبا پوشوں کو اپنی عبائیں تار تار دکھائی دیں گی۔ دستار آرائی کے نشہ مستوں کو اپنی دستار کے ہر پیچ سے بے چینی کاٹے گی۔ دولت مندوں کے سکے بچھو بن کر انہیں ڈسیں گے۔ ضمیر، روح، بدن، قلب اور قالب بے اطمینانی کی آگ میں جھلسنے لگیں گے۔ ایسے میں ایک آواز ابھرے گی اور ایک صدا کانوں سے ٹکرائے گی:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ
الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء: ۶۴)

”اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو (حبیب) وہ آپ کے پاس حاضری دیں اس کے بعد اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کے لئے طلب مغفرت کریں تو ضرور وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان پائیں گے“۔

وہ کون ہیں جن کی دہلیز پر پہنچو تو ہر سیاہی خوشبوؤں کا حلہ، رحمتوں کا جھونکا اور نور کی کرن بن جاتی ہے۔ یہاں لوگ گناہ گار آتے ہیں اور ولایت کا تاج پہن کر جاتے ہیں۔ ان کی توجہ پاک سے خطاؤں اور لغزشوں کے پہاڑ دھنکی ہوئی روئی بن کر اڑنے لگ جاتے ہیں۔ ان کے کرم

پر سلام ۔۔۔۔۔ ان کی خو پر درود ۔۔۔۔۔ ان کی نظر پر صدقے اور ان کی نوازشوں پر فدا ان کے سوا کون ہمارا؟ ان پر سلام ان پر درود۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

کارگاہ حیات کا نظم محبت سے ہے، محبت نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہو، یہ رنگ تعمیر بھی ہے اور آہنگ معمار بھی، اگر حسن میں ناز اور جمال میں بانکپن ہے تو وہ بھی اس لئے کہ کوئی چاہے اور کوئی محبت کرے، گویا پھولوں کی لطافت، روشنیوں کا نور، چمنستانوں کی آرائش، آسمانوں کی پہنائی، سبزوں کی جاذبیت اور فضاؤں کی وسعت سب کچھ حسن کا جلوہ بھی ہے لیکن اصل میں محبت کا تڑپتا اظہار ہے۔ محبت نہ ہو تو چرند نہ ہوں پرند نہ ہوں ۔۔۔۔۔ محبت نہ ہو تو زمین نہ ہو سما نہ ہو ۔۔۔۔۔ محبت نہ ہو تو کہ نہ ہو مہ نہ ہو ۔۔۔۔۔ محبت نہ ہو تو ہنستی فضائیں نہ ہوں اور ٹھٹھرتی وادیاں نہ ہوں ۔۔۔۔۔ محبت منزل ہو تو نور ہے ۔۔۔۔۔ محبت راہ ہو تو نار ہے ۔۔۔۔۔ محبت سوچ ہو تو روشنی ہے ۔۔۔۔۔ محبت تڑپ ہو تو حرکت ہے ۔۔۔۔۔ محبت خاموش ہو تو حسین ہے ۔۔۔۔۔ محبت بولے تو نغمہ ہے ۔۔۔۔۔ کبھی گیت ہے اور کبھی سنگیت، یہ کبھی رحمت اور کبھی خوشبو ۔۔۔۔۔ یہ بولتی بھی ہے اور تولتی بھی ہے ۔۔۔۔۔ بڑھتی بھی ہے اور رکتی بھی ہے ۔۔۔۔۔ یہ دوڑتی بھی ہے اور ٹھہرتی بھی ہے ۔۔۔۔۔ یہ روح کا پھول بھی ہے اور ضمیر کا کانٹا بھی۔

ماں کی ممتا اسی کی ایک کرن ہے۔ استاد کی شفقت اسی کا ایک رخ ہے۔ باپ کی تربیت اسی کا ایک انداز ہے۔ عبادت، ریاضت، سجدے، رکوع اور سعی و طواف سب اس کی بے تابیاں ہیں۔ چونکہ سب کچھ محبت ہے اس لئے ہمارے اللہ کی بھی ایک صفت ہے، ہمارے خدا کا بھی ایک حسن ہے، ہمارے معبود مطلوب کی بھی ایک ادا ہے۔ وہ حسن ہو تو باطن ہے، وہ محبت ہو تو ظاہر ہے، وہ محب بھی ہے اور محبوب بھی ہے، وہ انس بھی ہے اور انیس بھی ہے۔ اسی لئے اس نے اپنی محبت کے لئے اور اپنے انس کے لئے انسان بنایا ہے اور انسانوں میں بھی ایک عظیم انسان بنایا ہے، پھر اس کے حسن کو یوں سجایا ہے کہ وہ رحمت بھی ہے اور نور بھی ہے۔ محمد ﷺ بھی ہے اور

احمد ﷺ بھی ہے۔ اس کے حسن وجمال اور خوبی وکمال کا عالم یہ ہے کہ بنانے والا خود بھی اس پر درود پڑھتا ہے سلام پڑھتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب:۵۶)

”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان لانے والو! تم بھی ان پر خوب اور خوب درود وسلام بھیجو“۔

جب خالق درود پڑھے!

جب مالک سلام پڑھے!

جب مطلوب صلوٰۃ بھیجے!

جب وہ بولے تو تم بولو!

جب وہ بولے تو ہم بولیں!

جب وہ بولے تو کن بولے!

جب وہ بولے تو سب بولیں!

عرش بولے فرش بولے!

نور بولے نار بولے!

باد بولے خاک بولے!

دل بولے روح بولے!

اول بولے آخر بولے!

ظاہر بولے باطن بولے!

حیات بولے ممات بولے!

قدسی بولیں تقدس بولے!

جبرئیل بولے اسرافیل بولے!
نبی بولیں رسول بولیں!
نبی جی سلام تم پر
نبی جی درود تم پر
سانسیں سلام کہتی ہیں
دھڑکنیں درود پڑھتی ہیں

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

زندگی کے سو رنگ ہیں۔ یہ چمکتی ہے کبھی نیر تاباں بن کر۔۔۔۔۔ کبھی مہر درخشاں ہو کر اور کبھی مہ منور کا روپ دھار کر۔۔۔۔۔ یہ برستی بھی ہے کبھی باران رحمت بن کر۔۔۔۔۔ کبھی ابر کرم ہو کر اور کبھی برسات کا روپ دھار کر۔۔۔۔۔ یہ بہتی بھی ہے۔۔۔۔۔ کبھی سیل رواں ہو کر۔۔۔۔۔ کبھی چشمہ صافی بن کر اور کبھی بحر مواج کی صورت ہو کر۔۔۔۔۔ یہ اڑتی بھی ہے کبھی ابر بن کر۔۔۔۔۔ کبھی نسیم سحر ہو کر اور کبھی مرغ چمن کا پیکر دھار کر۔۔۔۔۔ یہ رقص بھی کرتی ہے کبھی گلبن مستاں ہو کر۔۔۔۔۔ کبھی بادہ گلگوں بن کر اور کبھی حرف محبت کا لبادہ اوڑھ کر۔۔۔۔۔ یہ بولتی بھی ہے کبھی سارنگی فطرت بن کر۔۔۔۔۔ کبھی شادیانہ ذوق ہو کر اور کبھی مضراب الست کی شکل اختیار کر کے، یہ روتی بھی ہے کبھی نالہ آدم بن کر۔۔۔۔۔ کبھی گریہ یعقوب ہو کر۔۔۔۔۔ اور کبھی ذوق اویس کا رنگ اپنا کر۔۔۔۔۔ یہ پڑھی بھی جاتی ہے کبھی انجیل مقدس بن کر۔۔۔۔۔ کبھی زبور داؤد ہو کر اور کبھی کتاب حق کے اوراق میں آ کر۔۔۔۔۔ یہ جھومتی بھی ہے کبھی رشک سرو ہو کر۔۔۔۔۔ کبھی قد شمشاد بن کر اور کبھی برق لرزاں کا شعلہ جوالہ ہو کر۔۔۔۔۔ یہ تڑپتی بھی ہے کبھی خزاں ستم رسیدہ ہو کر۔۔۔۔۔ کبھی مہر درد چشیدہ ہو کر اور کبھی چشم بلا گزیدہ کی مثل بن کر۔۔۔۔۔ یہ دہتی بھی ہے کبھی تمنائے فقیراں بن کر۔۔۔۔۔ کبھی آرزوئے غریباں ہو کر اور کبھی عجز کامل کی مثیل ہو کر۔

زندگی عشق ہے
زندگی سوز ہے
زندگی ساز ہے
زندگی سیل رحمت ہے
زندگی رنگ فطرت ہے
زندگی نور ہے
زندگی رنگ نور ہے
زندگی حسن ہے
زندگی انداز حسن ہے
زندگی درد ہے
زندگی آرزو ہے
زندگی جاگتی تمنا ہے
زندگی جیتا ارادہ ہے

زندگی جو بھی ہے، زندگی جہاں بھی ہے، زندگی جیسے بھی ہے، زندگی کی اصل ایک ہے وہ جسے اللہ کہتے ہیں، وہ جسے خدا کہتے ہیں، وہ جس کی صفتیں اس کا حیّ ہونا اور قیوم ہونا ہے۔ وہ جیتا خدا، وہ زندہ الٰہ، وہ حیّ اور وہ قیوم صرف اتنا ہی نہیں کہ زندہ ہے زندگی نواز بھی ہے اور حیات آفریں بھی۔ اس زندہ خدا کا جلوہ لازوال اور اس کے زندہ ہونے کی برہان باکمال بس ایک ہی ہے، وہ جس پر سب زندہ درود پڑھتے ہیں۔ وہ خود درود پڑھتا ہے۔۔۔۔۔ اس کی ذات درود پڑھتی ہے۔۔۔۔۔ اس کی صفتیں درود پڑھتی ہیں۔۔۔۔۔ زندگی درود پڑھتی ہے۔۔۔۔۔ روشنی درود پڑھتی ہے۔۔۔۔۔ رحمت درود پڑھتی ہے۔۔۔۔۔ حسن درود پڑھتا ہے۔۔۔۔۔ دن اور راتیں درود پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔ ارض وسما درود پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔۔ انس و ملک درود پڑھتے

ہیں۔۔۔۔۔ ارادے درود پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔ نیتیں درود پڑھتی ہیں۔۔۔۔۔ جب خالق درود پڑھتا ہے تو عرش تا فرش مخلوق درود پڑھتی ہے۔۔۔۔۔ ضرور بالضرور پڑھتی ہے۔۔۔۔۔

مصطفیٰ
جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

(الانفال: ۲۴)

”اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں بلائیں تو حاضر ہو جاؤ اس لئے کہ اُن کی دعوت میں تمہاری زندگی مضمر ہے“۔

اس کارگاہ حیات میں پائی جانے والی ہر چیز کی ایک شناخت ہے۔ کوئی رنگ سے پہچانا جاتا ہے اور کوئی بو سے، کوئی روشنی سے جانا جاتا ہے اور کوئی اندھیرے سے۔ آگ کی دلیل دھواں ہے۔۔۔۔۔ دھوپ کی شناخت چمک ہے۔۔۔۔۔ پھول کا تعارف خوشبو ہے۔۔۔۔۔ آسمان کا تشخص بلندی ہے۔۔۔۔۔ دریا کا امتیاز روانی ہے۔۔۔۔۔ زندگی کا لمس حرکت ہے۔۔۔۔۔ صبح کی نشاط بادِ سحری میں ہے۔۔۔۔۔ اور شام کا حسن رنگ شفق میں مضمر ہے۔۔۔۔۔ ہر چیز کسی چیز سے پہچانی جاتی ہے لیکن اگر کوئی چاہے کہ ذرے تابناک ہوں خالق کی معرفت سے، ماحول ضوفشاں ہو توحید کے عرفان سے اور ذہن میں سوال ابھرے کہ اسے جانا جائے تو کیسے؟ اسے پہچانا جائے تو کیونکر؟۔۔۔۔۔ اس تک رسائی ہو تو کس کا دامن تھام کر؟۔۔۔۔۔ شاید کائنات کی ہر چیز اس کے حسن ازل کو دیکھنے کا آئینہ ہے، لیکن یہ سب دلیلیں گونگی ہیں بولتی دلیل، ناطق دلیل اور صفات خداوندی کی تلاوت کناں دلیل بس ایک ہی ہے۔ جو دیکھیں تو نظر دلیل، جو بولیں تو لب لرزاں دلیل۔۔۔۔۔ جو جھکیں تو سجدہ بے تاب دلیل۔۔۔۔۔ ہاتھ لہرائیں تو رحمتیں برسیں۔۔۔۔۔ قدم اٹھائیں تو روشنیاں پھوٹیں۔۔۔۔۔ لحظہ لحظہ دلیل، لمحہ لمحہ برہان۔۔۔۔۔ نظر نظر فیض، ڈگر ڈگر انقلاب، موڑ موڑ عرفان، انہیں مہتاب نہ کہیے، انہیں خورشید درخشاں سے تعبیر نہ کیجیے، انہیں سرور بادہ کا استعارہ بھی قرار نہ دیجیے، یہ بوئے عمل بھی نہیں یہ کرن ضوفگن بھی

نہیں۔۔۔۔ یہ سب تو ان کے پاؤں سے اٹھنے والی دھول بھی نہیں بن سکتے۔ یہ محمد ﷺ ہیں، یہ احمد ﷺ ہیں، یہ رسول نور ہیں اور پیغمبر رحمت ہیں۔ رنگ تجلی ان سے ہے اور فروغ انوار یہ ہیں۔

درود ان پر، سلام ان پر

ان کے نام پر درود، ان کے کام پر درود

ان کے اسم پر درود، ان کے جسم پر درود

ان کے قال پر درود، ان کے حال پر درود

خفتاں درود افتاں درود

پیچاں درود لرزاں درود

اول درود آخر درود

ظاہر درود باطن درود

شعلہ نجم و قمر درود

متاع فکر و فن درود

توشہ ذوق نظر درود

درود ان پر، سلام ان پر
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا

(النساء: ۱۷۴)

”اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے روشن اور خوبصورت دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف بڑے جلوے والا نور نازل کیا“۔

شے وہ ہے جسے کائنات کے قادر و مالک اللہ نے چاہا ہو اس نے بنایا ہو اور ڈھالا ہو اور ہر وہ چیز جو بنی ہے، ڈھلی ہے وہ عناصر کی ترکیب ہی سے بنی ہے ڈھلی ہے اور تخلیقات کے عناصر

ترکیبی لطیف بھی ہو سکتے ہیں اور کثیف بھی ہو سکتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ لطافت اور کثافت کے تخلیقی امتزاج ہی سے "حسن" ترکیب پاتا ہے لیکن بعض تخلیقات ایسی ہوتی ہیں جس رنگ میں ہوں، جس سمت بڑھ رہی ہوں، جس صورت میں دکھائی دے رہی ہوں اور جہاں بھی پائی جائیں وہ نور ہی نور ہوتی ہیں، اس لئے کہ وہ نور سے ہوتی ہیں اور ان کی تخلیق میں نور ہی کا ارادہ کامل پایا جاتا ہے، وہ چونکہ نور ازلی کا پرتو ہوتی ہیں اس لئے وہ متحرک ہوں تو حرکت نور ہوتی ہیں، وہ متلون ہوں تو رنگ نور ہوتا ہے اور وہ متشخص ہوں تو شخصیت نور ہوتی ہے۔ انہیں دیکھنے کے لئے وہ آنکھیں درکار ہوتی ہیں جنہیں کشتہ عشق ہونے کا شرف حاصل ہوا ہو، وہ دل درکار ہوتے ہیں جو تجلی گاہ معرفت ہوں، آنکھیں خود کثیف ہوں تو ان کے وجود اطہر کی لطافت تک رسائی ممکن نہیں ہوتی، اس لئے انہیں دیکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ دل دھوئے جائیں، دماغ صاف کئے جائیں، روحیں اجالی جائیں، نور حق کا لباس پہنا جائے، روشنیوں کے ماحول پیدا کئے جائیں۔ اول نور، آخر نور، ظاہر نور، باطن نور پھر دیکھو انہیں جہاں چاہو، جس طرح چاہو، جس رنگ میں چاہو، جدھر چاہو، وہ نور ہوں گے، نور ہی نور ہوں گے، ذہن نور، ذقن نور، نام نور، کام نور، رات نور، دن نور، بدن نور، جسد نور، مکان نور، مکین نور، بات نور، حیات نور، سیرت نور، صورت نور، خلق نور، وہ پیکر رکھتے ہیں لیکن ایسا کہ اس پر کبھی مچھر اور مکھی بھی نہیں بیٹھی، وہ سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں لیکن نور کے کانوں سے اور نور کی آنکھوں سے، جو دیکھتی بھی ہیں، نوازتی بھی ہیں، دھوتی بھی ہیں اور تقدیر بدل بھی ثابت ہوتی ہیں۔ وہ لباس بھی پہنتے ہیں لیکن جیسے جنت کی سادہ حوروں نے مل کر فردوسی ریشوں سے اسے بنا ہو، وہ چلتے بھی ہیں لیکن زمین جیسے انہی کے لئے بچھی ہو اور ستارے جیسے انہی کی خاک پا سے پیدا ہوئے ہوں۔

مہد نور میں پلنے والے

پیکر نور کو

نور سلام کہتا ہے

روشنی سلام کہتی ہے
اُجالے سلام کہتے ہیں
مہر و ماہ سلام کہتے ہیں
خوشبو سلام کہتی ہے
رنگ و حسن سلام کہتے ہیں
ان کا چہرہ والضحیٰ
ان کی زلف اذا سجیٰ
ان کی نظر ما طغیٰ
ہر رنگ اور ہر ادا کو
نغمے سلام کہتے ہیں
گیت سلام کہتے ہیں
نثر سلام کہتی ہیں
شعر درود پڑھتا ہے
سسکتی تمنائیں درود پڑھتی ہیں
عشق بے چارہ
لب بستہ
پابستہ
نگہ بستہ
سلام کہتا ہے
درود پڑھتا ہے
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ
رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ
وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ: ۱۶۔۱۵)

"بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور اور روشن کتاب آئی۔ اُسی کے ذریعے اللہ منزل نصیب کرتا ہے ہر اُس شخص کو جو اس کی رضا کا طالب ہے سلامتی کی راہوں پر اور نکالتا ہے اپنے حکم سے انہیں ظلمتوں سے اُجالوں کی طرف اور انہیں سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے"۔

وحی روشنی ہے اور الہامی رہنمائی جادہ حق اور صراط مستقیم ہے۔ اس راہ پر چلنے والوں کو تربیت کا پہلا درس علم اور جستجو کا دیا جاتا ہے۔ "علم" کو منزل سمجھنا، تعلیم کو راحت جاں تصور کرنا، سیکھنے کو دولت دل کا درجہ دینا، جستجو کو نسیم راحت فزا کا جھونکا جاننا متلاشیان حق و حقیقت کا منشور حیات ہوتا ہے۔ یہ دیوانگان عشق جہالت کے دشمن ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ اور لحظہ لحظہ نور علم کی آتشیں کرنوں سے جگمگا رہا ہوتا ہے، لیکن جامد پتھروں، جلتے کوئلوں، بہتی ندیوں، ایستادہ پہاڑوں، افتادہ کھیتوں، درخشاں ستاروں، متحرک سیاروں، سنسان راتوں، ستم کیش رتوں کو اپنا معلم و مرشد تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا عزم و ہمت اس سرچشمہ ہدایت تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے جس کا فیض آب حیات سے بڑھ کر زندگی بخش ہو۔ وہ ڈھونڈتے ہیں اور تلاش کرتے ہیں، سرگرداں پھرتے ہیں۔ وہ اپنے نشتر طلب سے جمادات، نباتات، حیوانات اور کائنات کا دل چیرتے ہوئے ان زندہ اور عظیم انسانوں کی صف کے سامنے جا کھڑے ہوتے ہیں، ایسے عظیم لوگ جو نبوت اور رسالت کا تاج سر پر رکھے ہوتے ہیں۔ ان میں بھی ایک ذات ایسی ہے گویا سب نبی اور رسول ان کا طواف کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کے سینہ ہمہ داں سے علمك مالم تكن تعلم کے جلوے پھوٹ رہے ہوتے ہیں۔ وہ کیا ہے جو وہ نہیں جانتے؟ وہ کیا ہے جو انہوں نے نہیں دیکھا؟ وہ کیا ہے جس تک ان کی رسائی نہیں؟ وہ خدا نہیں، معبود نہیں لیکن مقصود ایسا کہ جو ان

تک نہ پہنچے، وہ کافر منکر ٹھہرے، وہ بولیں تو شہر گل کی ہر پتی خوشبوئیں سمیٹے، وہ سوچیں تو آسمان علم پر ستارے درخشاں ہوں، وہ چلیں تو ارض علم پر سورج دوڑیں، وہ بیٹھیں تو زاویہ علم سے بجلیاں لرزیں، وہ مانگیں تو ارض وسما ان کے ہاتھوں کی لکیروں پر فدا ہوں۔

وہ کہ معلم کائنات ٹھہرے
وہ کہ مرشد کائنات ٹھہرے
وہ کہ رحمت حیات ٹھہرے
ان کے علم پر درود
ان کے حلم پر درود
ان کی عطا پر درود
ان کی سخا پر درود
بولیں تو لفظوں کو سلام
چلیں تو قدموں پر درود
پڑھیں تو حرفوں پر فدا
سوچیں تو ارادوں کو سلام
ان کے بول بول پر بندگی
ان کے قول قول پر عجز
جھک جھک کے سلام
مٹ مٹ کے سلام
انہوں نے قرآن پڑھایا
انہوں نے کتاب سکھائی
کتاب سکھانے والے

قرآن پڑھانے والے

معلم!

مرشد!

نبی نبی!

اللہ کرے

سلام قبول ہو

درود قبول ہو

مصطفٰی جان رحمت پہ لاکھوں سلام

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ② اِقْرَاْ وَ
رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ③ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ⑤

(العلق: ۵، ۴، ۳، ۲، ۱)

”پڑھیے اپنے رب کے عظیم نام سے جس نے پیدا فرمایا
اس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے
پڑھیے اور رب آپ کا سب سے بڑھ کر کرم والا ہے
وہ رب جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی
تعلیم دی اس نے انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا“۔

بزم ہستی میں بہت لوگ آئے۔ ہر آنے والے کی شان چشم انسانیت نے بصد احترام ملاحظہ کی۔ نالہ آدم بھی اٹھا۔۔۔۔۔ گریہ یعقوب نے بھی آنکھوں کو تڑپایا۔۔۔۔۔ زبور داؤد نے بھی مستیاں بانٹیں۔۔۔۔۔ حسن یوسف نے سماں باندھے۔۔۔۔۔ اعتقاد ابراہیم نے زندگی کے خاکوں میں رنگ بھرا۔۔۔۔ اطاعت اسماعیل نے تدوین آداب کا سہرا باندھا۔۔۔۔۔ تبلیغ عیسیٰ نے اخلاق کے قرینے لکھے۔۔۔۔۔ لیکن جب تک وہ نہ آئے تھے شرافت تڑپ رہی تھی، انسان

انسان کا خدا بنا ہوا تھا، حکمرانوں کو مسجود تصور کیا جاتا تھا، قتل و غارت کی گھمبیر تاریکیاں چار سو چھائی ہوئی تھیں، بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی مکروہ رسمیں جاری تھیں، انسان درندوں کی طرح ایک دوسرے کو کاٹتے پھرتے تھے۔ دفعتاً وہ تشریف لائے شب تیرہ و تار کی چھاتی پر جیسے کسی نے چراغ ضوفگن کر دیا ہو، چار سو روشنیاں پھیلیں، اضطراب، تشویش میں گرفتار انسانیت مسکرائی، یاس و قنوطیت کے غبار سے اٹے ہوئے چہرے اُمید کے نور سے دھل گئے۔

وہ آئے بصد شان و شوکت
وہ چمکے بصد ناز و ادا
وہ چھائے بصد عجز و نیاز
وہ روئے تو عرش لرزا
وہ مسکرائے تو جہاں چمکا
وہ بولے تو غنچے چٹکے
ہاتھ اٹھا تو مہ کا کلیجہ چر گیا
قدم بڑھا تو لاہوت جھک گیا
رکوع میں گئے تو عشق کی پیشانی پہ پسینہ آ گیا
سجدے میں گرے تو جذب و جنوں کے ہوش اڑ گئے
نرم ہوئے تو کلیوں نے گدازی سیکھی
علم ور ہوئے تو پھولوں کے رنگ نکھرے
جمال ان کا سایہ عرش الٰہی ہے
جلال ان کا ضرب دست خدائی ہے
احسن تقویم بھی وہ
زندگی کی تزئین بھی وہ

بہار کلبۂ احزان بھی وہ
ربیع قلب پیر و جوان بھی وہ
وہی ہیں جنہوں نے سحر نخوت توڑا
وہی ہیں جنہوں نے طلسم شیطنت بکھیرا
وہی ہیں
جنہیں روح مانے، دل مانے
عقل مانے، خرد مانے
نبی مانیں، رسل مانیں
زمین مانے، زماں مانے
مکاں مانے، مکیں مانیں
ایمان مانے، وفا مانے
سلام ان پر درود ان پر
وہ نور یزداں ہیں سلام ان پر
وہ بوئے عرفاں ہیں سلام ان پر
وہ رنگ وحدت ہیں سلام ان پر
وہ آیۂ رحمت ہیں سلام ان پر
سب سلام کہتے ہیں
سب درود پڑھتے ہیں
نالۂ آدم سلام پڑھتا ہے
جذبۂ نوح سلام پڑھتا ہے
صبر ایوب سلام پڑھتا ہے

درود ابراہیم سلام پڑھتا ہے

عشق اسماعیل سلام پڑھتا ہے

حسن یوسف سلام پڑھتا ہے

رحمت رنگ سلام پڑھتا ہے

مدام پڑھتا ہے

مصطفیٰ
جان رحمت پہ لاکھوں سلام

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ
جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ
ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا
وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (ال عمران: ۸۱)

"اور یاد کرو جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کسی کے ذریعہ کتاب وحکمت سے کچھ عنایت کروں پھر تشریف لائے تمہارے پاس عظیم رسول تصدیق کرنے والے جو تمہارے پاس ہے اُس کی تو تم ضرور ضرور ایمان لانا ان پر اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کرلیا اور اس اقرار پر تم نے میرا بھاری ذمہ قبول کرلیا بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تم سب گواہ ہو جاؤ میں تمہارے ساتھ ہی گواہوں میں سے ہوں"۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آؤ مل کر کرسی توڑ دیں

ریاستی اور انسانی معاشرتی تاریخ میں فقراء اور سلاطین ہمیشہ متضاد فکری اور عملی رویوں سے ہمکنار رہے۔ ایوان سیاست ہمیشہ ترقی و ارتقاء اور عروج و بقا کے لئے قوت، مادی وسائل سے لیس رہنے، استحکام اقتدار، ذہنی چابک خیالی، خدع و فریب، مطلب پرستی، مصلحت کوشی، حرص و آز اور تکبر و غرور کو اہمیت دیتے رہے جبکہ فقراء کا اسلحہ ہمیشہ عاجزی، انکساری، انسان دوستی، غریب پروری، صلح جوئی، ملن ساری، مروت، محبت، ایثار، خلوص اور اخلاق و عمل رہا۔

خیال ہے کہ ایوان حکم و حکومت اگر فقراء کی چند نصیحتوں ہی کو مشعل راہ بنالے تو کامیابیاں ان کے قدم چوم سکتی ہیں۔ ماضی میں وہ حکمران بڑے کامیاب رہے جنہوں نے فقراء کے جوتے سیدھے کئے۔ کون نہیں جانتا اورنگزیب کی فتح مندیاں، ملا جیون ایسے لوگوں اور شہاب الدین غوری کے معرکے غریب نواز سلطان الہند کے مرہون منت تھے۔ حکمران قوت مند ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کا بھیجا فہم و فراست سے خالی ہوتا ہے جبکہ فقیر بے وسیلہ ضرور دکھائی دیتا ہے لیکن جسور و غیور ہونا اس کی چمک کا صرف اک پہلو ہے۔ حکمت و تدبر ان کی گدڑی کا مایہ فخر ہوتا ہے۔

خاکساران جہاں سے رہنمائی لینے والے ہمیشہ عزت مند رہتے ہیں۔ مسلمان سلاطین سلطانی کے اس گر سے ہمیشہ واقف رہے، یہی وجہ ہے کہ وہ فقراء و علماء کے دروازوں پر طلب خیر کے لئے حاضریاں دیتے رہے ہیں لیکن انگریز اپنی بدتمیزی کے ساتھ جس نگر سے گزرا زندگی کے ہر شعبہ کو گندا کر کے گزرا۔ مسلمان حکمرانوں کو حکمرانی کا ہر انداز اور ہر نخرہ سکھایا لیکن ان کے اندر سے مسلمانی نچوڑ لی۔ انہیں خیر کے چشموں سے دور کیا۔ تکبر اور غرور ان کی نس نس میں بھر دیا۔ ظاہر

پرستی اور مصنوعی زندگی کے چشمہ نے مسلمان امراء کے تدبر و تفہم کا منہ کالا کر دیا۔ عدلیہ کا نام عدلیہ رہا لیکن عدل سے وہ کوسوں دور ہو گئی۔ انتظامیہ کی پیشانی انتظام کے جھومر سے آراستہ ہوئی لیکن بدنظمی نے قوم وملت کو فنا کر دیا۔ مقننہ نے تقدس قانون کے بڑے بڑے گون پہنے لیکن آئین باختگی نے قانونی مزاج کی دھجیاں بکھیر دیں۔ عسکریت نے راست چپ کی مالا جپی لیکن بنگلہ دیش، عراق اور فلسطین کے اندر جو مسلمانوں کی رسوائی ہوئی وہ سیاہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ ورلڈ بنک کو مسلمان حکمران رازق و رزاق سمجھنے لگے۔ بھوک اور افلاس نے اجتماعی شعور کی ایسی عصمت دری کی کہ لٹیرے اور بدمعاش پارلیمنٹ کی زینت بننے لگ گئے۔ ٹیکسوں کے بوجھ نے تاجر سے کلمہ پڑھنے کی فرصت چھین لی۔ یہ کسے کون سمجھائے کہ اچھا معاش کلاہ و دستار کو، طولانی گھروں کو سنگ مرمر سے آراستہ اور کپڑوں کو زرق برق کر سکتا ہے لیکن تاریخی عظمت براستہ مادیت نہیں براستہ روحانیت ملتی ہے۔۔۔۔ اپنا ملک جن حالات سے گزر رہا ہے تھوڑی دیر کے لئے اس طرف آئیے۔۔۔۔ عدلیہ کی چولیں کس نے ڈھیلی کیں، تاریخ ساز مصنفین کے تاریخی تضادات کس نے ابھارے، چیف کا جھگڑا چیونٹیوں اور مکھیوں میں بھی ہو جائے تو وہ تباہ ہو جاتی ہیں، تو اس ملک کا کیا بنے گا کہ جہاں جھگڑا آرمی چیف کا؟ جھگڑا کورٹ چیف کا؟ جھگڑا کنٹری چیف کا؟ کیا کہا جائے ملک اہم ہے یا چیف؟ یہ اس گندے نظام کا فیضان ہے جس نے سب کو بڑا چیف فرعون اور نمرود بننا سکھایا۔ سچا تو وہ نظام ہوتا ہے جو چھوٹا ہونا سکھائے، کاش! ہم نے وہ نظام تلاش کیا ہوتا جس میں اپنے آپ کو چیف سمجھنے والے نااہل قرار پاتے ہیں۔ فتور سارا بڑا بننے کا ہے۔ آؤ! سب مل کر کرسی توڑ دیں اور اس نظام کی یافت اپنا مسلک بنائیں جس میں چٹائی سب کچھ ہوتی ہے۔ عاجزی، انکساری، خدا پرستی دوسرے کو اپنے سے بہتر جاننا، صلاحیت شناسی، اہلیت اعترافی لیکن خطرہ ہے شیطان اور طاغوت نے ہمیشہ اپنی کرسی مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے، اس کی کرسی توڑنے کے لئے کلہاڑہ ابراہیم درکار ہے۔۔۔۔ اس کی کرسی کمزور کرنے کے لئے ید موسیٰ کا جلوہ چاہیے۔۔۔۔ اس کی کرسی کی چولیں ہلانے کے لئے اذان حرا گونجنی

چاہیے۔۔۔۔۔ اس کی کرسی کو مضبوط کرنے کے لئے یزید، فرعون اور نمرود مل کر انسانی خون کے ساتھ ہولی کھیل رہے ہیں، شاید غریب وقت کو پھر کربلا مچانا ہوگا۔ قرضے اتارنا قومی امانت کا حصہ ہے، سماج بندی ملی حمیت کا تقاضا ہے، معاشرتی افلاس کا ترفع سیاسی مینڈیٹ کا جزو لاینفک ہے لیکن خوگر حمد پر تھوڑا سا حق سمائے نیلگوں کے مالک کا بھی ہے۔ نازش سیرت سرور عالم ﷺ کا حق وفا بھی کچھ مانگتا ہے ۔۔۔۔۔ نہ شرمایئے۔۔۔۔۔ نہ ڈریئے، نہ جھکیئے، نہ پریشان ہویئے۔۔۔۔۔ کرسی کلنٹن کی نہیں۔۔۔۔۔ کرسی ابلیس یورپ کی نہیں۔۔۔۔۔ کرسی امانت ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی۔ اگر آپ اس پر بیٹھ کر ”غیر اللہ“ کو پکاریں گے، شرک ہو گا۔۔۔۔۔ اللہ ناراض ہوگا۔ پڑھے ہوئے کلمے بکھر جائیں گے، نماز مذاق ہو جائے گی، عمرے سیاست بن جائیں گے، حج وزارت بن جائے گا۔ ہاں راوی کے کنارے کتے کو روٹی دینا عبادت ہوگا، جب حکمرانی کی تعلیم سیرت رسول عربی ﷺ کے جلووں میں ڈوب جائے گی، پھر ”کرسی“ پر بیٹھنے والا کرامت اولیاء کا امین ہو جائے گا۔ ممکن ہے محراب کی دعائیں فضائے آسمان میں معلق رہیں لیکن کرسی نشین خادم رسول کی تڑپتی دعائیں سر عرش کی معراج کا درجہ پائیں۔۔۔۔۔ حکمران دوستو! لگتا یہ ہے۔۔۔۔ وہ دیکھو غریب نواز ہاتھ میں پھول پکڑے کھڑے ہیں۔۔۔۔۔ شیخؒ جیلاں کسی کے لئے دستار دست محبت میں سجائے ہیں۔۔۔۔۔ داتائے لاہور زمردیں چادر کو عطیہ کرنے لئے ٹھنڈی سڑک کی طرف بڑھ رہے ہیں۔۔۔۔۔ شبر و شبیر کی روحیں کربلا سے ایوان سیاست کو پیار سے جھانک رہی ہیں۔۔۔۔۔ لیکن یہ محبتیں، یہ کلاہ و دستار، یہ پھول و مالا، یہ جھنڈے اور پرچم اس کا مقدر بنیں گے۔۔۔۔۔ جو ماحول کا حصار توڑ کر۔۔۔۔۔ اپنا رخ مدینہ۔۔۔۔۔ مدینہ۔۔۔۔۔ مدینۃ الرسول کی طرف پھیر دے گا۔ ہم نے جدید دنیا کے جدید ماحول میں سیکھا بھی کیا ہے۔

مال مال مال۔۔۔۔۔؟

کروفر اور زر و منال؟

کرسی کرسی

اقتدار، اقتدار
اس بے وقار سوائے زمانہ کرسی کے لئے
جھوٹ-----
مکر-----
فریب-----اور باطل پرستی
حالانکہ
کرسی عظیم اسی کی ہے
کرسی متین اسی کی ہے
کرسی مضبوط و محکم اسی کی ہے
کرسی وسیع و رفیع اسی کی ہے
اسی کی کرسی محیط زماں ہے
اسی کی کرسی محاط دوراں ہے
اسی کی کرسی میں جھول نہیں
اسی کی کرسی میں دھول نہیں
اسی کی کرسی میں ذھول نہیں
اسی کی کرسی نعرہ توحید ہے
اسی کی کرسی نکتہ فرید ہے
اس کی کرسی قبلہ قلندراں ہے
اسی کی کرسی مطاف رنداں ہے
اس کی کرسی کے گن گانا عبادت ہے

اس کی کرسی کے ترانے الاپنا ریاضت ہے
اس کی کرسی جلوہ عرشیاں ہے
اس کی کرسی نجات فرشیاں ہے
اس کی کرسی فلسفہ معراج ہے
اس کی کرسی وسیلہ اعراج ہے
دنیا کی چھوٹی سی کرسی پر بیٹھنے والو!
تمہاری کرسی کیا ہے؟
تم کیا ہو۔۔۔۔؟
پر کاہ بھی نہیں
ذرہ بھی نہیں
دریا کی مٹتی جھاگ ہو
افلاس و عجز کا ماتمی راگ ہو
تم خود ہی اپنے زوال کا آغاز
تم خود ہی اپنی تباہی کا راز
تم نے اس کی وسیع کرسی دیکھی ہی نہیں
وگرنہ تم چٹائی نشین ہوتے!
اپنی کرسی کو توڑا ہوتا!
انا کے بت پاش پاش کیے ہوتے!
ورلڈ بنک کی بجائے
خدائے وہاب پر مضبوط ایمان رکھتے
سود کے پیسوں پر تمہاری

عیاشیوں کے تنور روشن نہ ہوتے
رزق حلال سے تمہاری پیشانی
روشن ہوتی
چلو۔۔۔۔۔ رہنے دو
مزاج برہم نہ کرو
آج کا نعرہ!
آج کا گیت

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ
مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا
شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ
الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (البقرہ: ۲۵۵)

"اللہ، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ آپ قائم اور دوسروں کو قائم کرنے والا نہ اُسے اُونگھ آئے اور نہ نیند، اُسی کے لیے ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو اُس کے حضور شفاعت کرسکے اس سے مستثنیٰ ہے وہ جس کو شفاعت کی وہ خود ہی اجازت بخشے جانتا ہے جو کچھ ان سے پہلے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے، اُس کے علم میں سے وہ ذرہ بھر حاصل نہیں کرسکتے مگر جتنا وہ خود ہی چاہے سارے آسمان اور زمین اُس کی کرسی میں سمائے ہیں اور ان کی حفاظت اُس کو تھکاتی نہیں ہے اور وہ بلندی نواز بڑی عظمت والا ہے"۔

علم و عرفاں کی کرسی پر بیٹھنے والو تمہاری کرسی، حکم و حکومت کی مسند پر ٹیک لگانے والو تمہاری کرسی، حجرہ و خانقاہ میں جانشین ہونے والو تمہاری کرسی، تجارت و معاملہ کے تخت پر جلوہ افروز

ہونے والو تمہاری کرسی، مشاورت و وزارت کے صوفہ نشینو تمہاری کرسی، چھوٹی ہے بہت چھوٹی، کچی ہے بہت کچی، خام ہے بڑی خام، ناپختہ، نامحکم، نارسا، ناکارہ۔ استحکام تو خدا کی کرسی کے سایہ میں آنے سے ہے وگرنہ۔۔۔۔۔ وگرنہ تمہاری کرسیوں سے حجام کی کرسی اچھی ہے جس میں تکبر نہیں، غرور نہیں اور اذیت اور ظلم نہیں۔

آؤ مل کر خدا کی کرسی کا ورد کریں، وظیفہ پڑھیں اور اپنی کرسی توڑ دیں۔ عذاب دنیا، عذاب قبر اور عذاب محشر سے نجات کا طریقہ یہی ہے۔ شاید میں غلط نہیں، اللہ اکبر۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (البقرہ:۲۵۵)

”سارے آسمان اور زمین اُس کی کرسی میں سمائے ہیں“۔

درود و سلام آپ کے اپنے محبوب اور اپنے بندوں پر

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم کہاں کھڑے ہیں؟

مری کی ٹھنڈی فضاؤں میں ایک خدامست مجذوب کی گرجدار آواز نے فضا کو مرتعش کردیا۔ آواز کیا تھی تعمیر ملت کا ایک خوبصورت منصوبہ، تشکیل بخت کا ایک اساسی نقشہ اور عروج دور کا ایک جامع لائحہ عمل۔۔۔۔۔ کہا تین چیزیں نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ وابستگی، قانون اور استقامت کے ساتھ عمل ایک ملت ہونے کے ناتے، ایک قوم ہونے کے رشتے اور ایک جماعت ہونے کے لحاظ سے آج ہماری ”وابستگیاں“ کیا انداز رکھتی ہیں۔۔۔۔؟ ہمارے ”قانون“ کے خدوخال کیا ہیں۔۔۔۔؟ اور ہمارے عمل کے معیار کون سے ہیں۔۔۔۔؟ ہماری شناخت کیا ہے۔۔۔۔؟ ہماری پہچان کا حوالہ کیا ہے۔۔۔۔؟ ہمیں اپنے آپ کو کس ماضی سے وابستہ کرنا چاہئے۔۔۔۔؟ ہمیں حسین مستقبل کا وقیع مقدمہ کس قانون کا بنانا چاہیئے۔۔۔۔؟ ہمارے استقامت کے ساتھ عمل کی معیاری قدریں کون سی ہونی چاہئیں۔۔۔۔؟

ان سوالوں کے جواب دینے کے لئے ہمیں جلدی کرنا ہوگی، ہمیں فکری سفر تیز رفتاری سے طے کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنے اجتماعی عمل کو کسی خاص سانچے میں ڈھالنا ہوگا اور ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہوگا جلدی کرنا ہوگا، وگرنہ یہ ٹھوس حقیقت دماغ کی گرفت سے خارج نہیں ہونی چاہئے کہ قوموں کی زندگی میں ہر نصف صدی کے خاتمے پر اور نصف آخر کے آغاز میں فطرت اپنا رنگ بدل لیتی ہے۔ پیار فہمائش کے لہجے بن جاتے ہیں۔۔۔۔۔ دلاسے تعزیروں کا روپ دھار لیتے ہیں۔۔۔۔۔ تنبیہات عذاب کے طمانچے بن جاتے ہیں۔۔۔۔۔ جھڑکیاں سخت گیری کی

مظہر ہو جاتی ہیں۔۔۔۔۔ بہاریں ستم رسیدہ خزاں کا پیغام بانٹنے لگ جاتی ہیں اور موسم کی خو سے پیار کی خوشبوئیں دم توڑ جاتی ہیں اور تندیاں جنم لینے لگ جاتی ہیں۔

آیئے!

اپنے آپ کو غور سے دیکھیں ہم کہاں کھڑے ہیں؟

ہماری وابستگیوں کی کیفیت یہ ہے کہ مدینہ و نجف کی بجائے واشنگٹن و پیرس ہماری سوچوں کے مطاف بن گئے ہیں۔۔۔۔۔ ہمارے کان مغربی مکروہ آوازوں کے بغیر کچھ سنتے ہی نہیں۔۔۔۔۔ ہماری آنکھیں تہذیب مکر و فریب کے خود فریب حسن ہی سے لذت گیر ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ ہمارے دل کی دھڑکنوں میں مادہ و دولت کی کھنکھناہٹ خود فراموشی کے نغمے جگا رہی ہے۔۔۔۔۔ ہمارے بڑھنے والے قدم بڑی تیزی سے مغرب کا رخ کیے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ ہمارے قانون کی حالت یہ ہے کہ جیسے کسی نے مغربی حجاموں کی دوکان میں اسے غسل دے کر بنا نکھار دیا ہو۔۔۔۔۔ بڑے بڑے وزیر مشیر گیدڑوں کی طرح چیخ رہے ہیں کہ سود کے بغیر معیشت چل ہی نہیں سکتی۔ اگر حضرت عمرؓ کا زمانہ ہوتا تو ایسے احمقوں کی چمڑیاں ادھیڑ دی جاتیں۔

میخانہ مغرب کی طرف اٹھنے والے مسلمانوں کے قدم مضبوطی اور پائیداری سے بڑھ رہے ہیں اور شریعت مصطفوی کی طرف بڑھنے والے قدموں پر لرزہ طاری ہے۔ ملی امانت کی حالت یہ ہے کہ کوئی کام روٹین کے مطابق نہیں ہو رہا۔ نوکر شاہی کی کرسیوں پر جیسے مٹی کے ڈھیر پڑے ہوں۔ منصوبہ ساز اداروں میں ٹی اے اور ڈی اے معراج عمل بنے ہوئے ہیں۔ پارلیمان پر گرفت مضبوط کرنے کے لئے امریکی وفاداریوں کی سند ضروری سمجھی جاتی ہے۔ چار چار قسم کے تعلیمی ادارے مخصوص جہتوں پر ایک ہی قوم میں آٹھ آٹھ قومیں پیدا کر رہے ہیں۔ لٹنے والوں کو بڑی سرعت سے لوٹا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ پٹنے والوں کو بڑی سفاکی سے پیٹا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ گرنے والوں کو بڑی بے مہری سے گرایا جا رہا ہے برباد ہونے والوں کو بڑی طراری سے برباد کیا جا رہے۔۔۔۔۔

قومی معیاروں کی حالت یہ ہے کہ چپڑاسی اور قاصد ہونے کے لئے میٹرک تعلیم چاہئے لیکن قانون ساز اسمبلی کا رکن بننے اور وزیر و مشیر ہونے کے لئے کسی صلاحیت کی ضرورت نہیں۔ عدالتوں کے فیصلوں پر انحصار کی بجائے پولیس خود ہی انتظامی اختیارات کے بہیمانہ استعمال سے ہزاروں دلوں کے نازک آبگینے توڑ دیتی ہے اور انصاف کے حصول کے لئے عدالتوں کے دروازے پر پہنچنا ایک مہم سے کم نہیں ہوتا۔

وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات محدود کرنے کی تحریک ہو رہی ہے۔ قومی کردار قابل فخر نہیں رہا۔ بلوچی، پٹھان، پنجابی، کشمیری اور سندھی ہونے پر ناز کیا جاتا ہے لیکن ''پاکستانی'' ہونے کو باعث شرف و عزت تصور نہیں کیا جاتا۔

خارجہ معاملات میں ملکی کردار کا انحصار سفارتی اداروں پر ہوتا ہے لیکن سفارشی تعیناتیاں نابغانہ اقدامات کے راستے میں کوہ گراں بن جاتی ہیں۔ عوامی کردار فرقہ وارانہ اور سیاسی جتھہ بندیوں کے ہتھے چڑھا ہوا ہے۔ روزگار کے مواقع دن بدن معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ زرعی اور صنعتی منصوبوں کی توسیع کے باوجود بے روزگاری نے اعتماد کی فضا مجروح کر رکھی ہے۔ نیک لوگ بُرے نظر آتے ہیں اور بُرے نیک دکھائی دیتے ہیں۔ اخبارات قومی اور ملی ضرورتوں کو پورا کرنے کی بجائے ''شہوات'' کے پرچارک ہو گئے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا ہر کام تاجرانہ بنیادوں پر کیا جا سکتا ہے لیکن قومی معاملات مال تجارت نہیں ہوتے انہیں مخلصانہ اور جانبازانہ طریقوں ہی سے چلایا جا سکتا ہے۔

کہیں ایسے تو نہیں کہ قیامت قریب آ گئی ہو، سیلاب طوفان بلا بن کر حشر بپا کر رہے ہیں ۔۔۔۔۔ صرف منگلہ بند کے ''غیر مدبرانہ'' اعمال اتنے بڑے سیلاب کی علت نہیں قرار دیئے جا سکتے ۔۔۔۔۔ سوچو! ''کہیں فطرت کا عمل دخل نہ ہو'' ۔۔۔۔۔ زلزلے بپا ہو رہے ہیں ۔۔۔۔۔ زمین کانپ رہی ہے ۔۔۔۔۔ اور پہاڑ لرز رہے ہیں، ہزاروں انسان زیر زمین دھنسے جا رہے ہیں ۔۔۔۔۔ غور کرو! کہیں کائنات کا پالنہار روٹھ نہ گیا ہو ۔۔۔۔۔؟ ریل سے

ریل ٹکرا گئی اور سینکڑوں انسانی جانیں ضائع ہو گئیں، محض عملے کی غفلت کی وجہ سے تباہی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔۔ من کو جگاؤ۔۔۔۔۔! ہو نہ ہو رب ناراض ہو گیا ہو، طیارے اڑے اور ہوا میں پاش پاش ہو گئے، کتنی انسانی جانیں فضا ہی میں بکھر گئیں۔۔۔۔۔ دھیان جماؤ! کہیں کسی کا دست شفقت دست قدرت سے نہ بدل گیا ہو۔ انسان انسان کو قتل کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ بندے بندوں کو لوٹ رہے ہیں۔۔۔۔۔ بشر بشر کو کھا رہا ہے۔۔۔۔۔ چوریاں، دھماکے، ڈکیتیاں، اغوا، جھگڑے، فساد، تخریب، دجل و فریب، مکر و خدع، حرص و آز، بغض و عداوت۔۔۔۔۔ شاید وابستگیاں ٹھیک نہیں۔۔۔۔۔ قانون درست نہیں۔۔۔۔۔ لائحہ حیات مضبوط نہیں۔۔۔۔۔ منزل روشن نہیں۔۔۔۔۔ ہم سب اندھیروں میں کھڑے ہیں اور خدا تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ
رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ
وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ: ۱۶،۱۵)

"بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس
ایک نور اور روشن کتاب آئی۔
اُسی کے ذریعے اللہ منزل نصیب کرتا ہے
ہر اُس شخص کو جو اس کی رضا کا طالب ہے
سلامتی کی راہوں پر
اور نکالتا ہے اپنے حکم سے انہیں
ظلمتوں سے اُجالوں کی طرف
اور انہیں سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
انتظار کرنا اس وقت

سرخ ہوا کا

زلزلوں کا

دھنس جانے کا

صورتیں بدلنے کا

پتھر برسنے کا

اور مسلسل نشانیوں کا

جب لوگ! مال حکومت (غنیمت) کو ذاتی مال سمجھنے لگ جائیں، امانت کو غنیمت اور زکوۃ کو ٹیکس بنالیں، علم دین دوسری اغراض کے لئے حاصل کرنے لگ جائیں، بیویوں کی اطاعت میں ماؤں کی نافرمانی کریں، دوستوں کو قریب اور باپ کو دور کرلیں، مساجد میں بے مقصد آوازیں گونجنے لگیں، قبیلوں کے بدکار لوگ قوم کے قائد بن جائیں، ملت کا ذمہ اسے سونپا جائے جو ان میں کمینہ ہو، عزت شرارت کے خوف سے کی جائے۔ رقاصائیں رقص کریں اور موسیقی عام ہو جائے، بادہ خرمست کے جام خوب اور خوب لنڈھائے جائیں اور پچھلے اگلوں پر لعنت کریں اور انہیں برا جانیں۔ (جامع ترمذی)

قارئین!

ایک طرف حدیث رکھ لیں اور ایک طرف اپنے حالات

پھر دیکھتے جائیں

سوچتے جائیں

پڑھتے جائیں

فیصلہ فرماتے جائیں۔

کیا ہونے والا ہے؟ کہیں قیامت تو نہیں آنے والی۔۔۔۔؟ کہیں حشر تو نہیں بپا ہونے لگا۔۔۔۔؟ کہیں ہنگامہ محشر تو نہیں اٹھنے لگا۔۔۔۔؟ کہیں دارو گیر تو نہیں شروع ہونے

گی۔۔۔۔؟ نقارے بج رہے ہیں، اٹھو تیاری کر لو اگر بالفرض قیامت قائم نہ بھی ہوئی تو بھی ہر مظلوم کی صدا ہے قیامت قائم ہو جائے اس لئے کہ زمین جب ظلمت کدہ بن جائے تو اس میں رہنے سے بہتر یہ ہوتا ہے کہ عادل خدا کے دارالاحتساب میں آدمی جا کھڑا ہو اس لئے کہ وہاں کم از کم عدل ضرور ہوگا۔

ظلم کرنے والے نہیں ہوں گے
قتل کرنے والے نہیں ہوں گے
آبروؤں کو داغدار کرنے والے نہیں ہوں گے
قبضہ گروپ نہیں ہوں گے
نفس کے قانون دان نہیں ہوں گے
شیطانی چال گر نہیں ہوں گے۔

مانا وہاں آگ ہوگی۔۔۔۔نار جہنم ہوگی۔۔۔۔آتش حیات سوز کے بھڑکتے شعلے ہوں گے لیکن پھر بھی وہ ظلم کدہ حیات سے بہتر ہوں گے اس لئے کہ ان میں انصاف مسلنے والے جلیں گے، نیکی کی روح دبوچنے والے جلیں گے اور حق و حقیقت کا گلا کاٹنے والے جلیں گے۔ غریب مومنوں کی دنیا تو بس دوسری ہوگی، جہاں ہر راحت اور ہر سکھ ہوگا سب سے بڑھ کر یہ کہ شہکار حسن اور آئینہ جمال حق ﷺ کی معیت کی گھڑیاں میسر ہوں گی۔

ایمان والو اپنے الٰہ اور اپنے خدا کا پیغام سنتے جاؤ:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ
وَ لَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ
قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (الحدید:١٦)

”کیا ایمان لانے والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا
کہ اللہ کے ذکر کے لیے ان کے دل خشوع بجا لائیں

اور اُس کلام حق کے لیے

جو اللہ نے اتارا

مسلمانوں کو اُن لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے

جنہیں اس سے پہلے کتاب ملی تھی پھر

اُن پر ایک طویل مدت گزری تو

ان کے دل میں سختی پیدا ہو گئی اور

اُن میں سے زیادہ لوگ گناہوں میں پڑ گئے‘‘۔

رب کریم!

مولائے جلیل!

خدائے بزرگ و برتر!

ہماری حالت پر رحم فرما۔۔۔۔

ہدایت کی راہیں روشن فرما۔۔۔۔

اور

ہمارے معاملات کو درست اور مضبوط فرما۔۔۔۔

اے اللہ! یہ شکستہ کلمات قبول فرما لے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعلیٰ حضرت کا منہج انقلاب

انقلاب انسانی زندگی کی معاشرتی ضرورت ہے اور ہر دور بذات خود اس امر کا متقاضی رہا ہے کہ اس معاشرتی ضرورت کی تکمیل کے لئے کچھ ذہن متحرک ہوں تا کہ انسانی اعلیٰ قدریں جو شجر کی طرح نامیاتی وجود رکھتی ہیں کہیں سوکھ کر مر نہ جائیں۔ فطرت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ انسانوں کی روحانی اور مادی ترقی وارتقاء عروج اور معراج کے لئے فعال روحانی الذہن لوگ ہمہ دم اپنی بہترین صلاحیتوں کی روشنی میں کام کرتے رہیں۔ تاریخ کے رگ و پے میں خون کی طرح متحرک رہیں۔ حسن کے اس آسمان پر ان گنت ستارے درخشاں دکھائی دیتے ہیں۔ مہد فکر ونظر ان نور تاب موتیوں سے مالا مال دکھائی دیتی ہے۔ وجود کائنات اس آفاقی حقیقت کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ زمانہ خود جستجوئے انقلاب کے سر پر پھول نچھاور کر رہا ہے، وہ لوگ کتنے مقدس دکھائی دے رہے ہیں جو سماج کے تیرہ وتار شب وروز سے فردوس کشیدنے کی فکر میں ہیں۔ ان لوگوں کے عزم وہمت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے انقلابی کردار سے انسانیت کو عرفان ہستی عطا کرتے ہیں۔ ان کی زندگی اصول ہوتی ہے۔ ان کے اصول حسن ازل کی روشن کرنیں ہوتی ہیں۔ وہ جس بستی میں ہوں نور رحمت ہوتے ہیں، ان کا عمل اور ان کی سیرت دہلیز آدمیت پر نئے جہاں پیدا کرتی ہے، البتہ ایسے عظیم لوگ پودوں کی طرح نہیں اگتے، زمانہ خاک چھانتا ہے تو پھر کوئی در شہوار ہاتھ لگتا ہے، نسیم طلب کی آفاق پیمائیاں نجانے کتنے چکر کاٹتی ہیں تو پھر حسن منزل کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ ہزاروں انسان آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں زمانہ انہیں تیوروں میں محفوظ کر لیتا ہے۔ تاریخ ان کے نام کی مالا جپتی ہے۔ دل انہیں اپنی دھڑکنوں میں آباد کر لیتے

ہیں۔ روشنیاں انہیں مہر درخشاں بنادیتی ہیں، ذہن ان کا ورد کرتے ہیں اور فطرت انہیں اتنا ابھار دیتی ہے کہ زندگی اور موت ہر دو سے ماورا وجود موجود اور حاضر و شہود کے ہر افق سے ان کا حسن دیکھنے کے لئے جھانکا جا سکتا ہے۔ مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ انہی عظیم انسانوں میں سے ایک جلیل القدر انسان تھے۔ مولانا یوں تو مفسر بھی تھے اور محدث بھی۔۔۔۔۔ متقن بھی تھے اور مفتی بھی، محقق بھی تھے اور ادیب بھی۔۔۔۔۔ شاعر، خطیب، مورخ، نجانے قسام ازل نے انہیں کن کن خوبیوں سے نوازا تھا لیکن اس دور میں جبکہ آج زندگی کی تمام آسائشیں میسر ہیں، مگر انسان مسلسل کرب اور اضطراب کا شکار ہے، فکری صلاحیتیں منتشر ہیں، وثوق علم تک رسائی صبر اور مصابرہ ہر دو سے محروم ہے۔ اپنے آپ کو محفوظ بنانے کی حرص نے ہر ایک کو غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ قیادتیں بہت ہیں لیکن حقیقی قیادت کا فقدان ہے۔ مفکرین ان گنت ہیں لیکن فکر عنقا ہے۔ علماء ریت کے ذروں کی طرح ہیں لیکن علم سدرۃ المنتہیٰ سے بھی جیسے ماورئی جا چکا ہے۔ ادعا اور دعویٰ جیسی ساری تاریکیاں جیسے اسی منحوس بارود کے پھٹنے سے پھیلی ہوں۔ لائبریریاں کتابوں سے بھری جا رہی ہیں لیکن سکون کم ہوتا چلا جا رہا ہے، مادیت کا جنون چڑیلیں بن کر انسانیت کو چمٹ چکا ہے۔۔۔۔۔ اگر یہ کچھ بجا ہے تو یقین جانیے یہ آج کسی کل کا نتیجہ ہے اور ہر آج کسی کل کا بیٹا اور بیٹی ہوا کرتا ہے۔ گزرے ہوئے کل اور آنے والے کل کو آج سے صحیح طور پر مربوط کرنا ہی انقلاب ہوا کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان الفاظ کو آج کے کسی جھروکے میں معاصرانہ حسد کی آہ سرد تصور نہ کرے تو سوچ کر بہت سوچ کر بیسویں صدی کے حوالے سے وقت کے دامن میں بڑی احتیاطیں سجا کر لکھ دوں کہ امام انقلاب اور قائد انقلاب ایسے خوبصورت القاب برصغیر پاک وہند کے اسی سپوت کو سزاوار ہیں جس کا نام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ چودھویں صدی ہجری کے ایک بے مثل عبقری تھے۔۔۔۔۔ آپ کو تیرہ سال کی عمر میں فتویٰ نویسی کی ابتدا کرنے والے نابغہ عظیم ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔۔۔۔۔ ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھنے کا اعزاز بھی آپ رکھتے تھے۔۔۔۔۔ ایک

باعظمت اور باوقار خاندان سے تعلق کی سعادت حاصل تھی۔۔۔۔۔ دینی اور دنیوی علوم پر انہیں مکمل دسترس حاصل تھی۔۔۔۔۔ طباع اور ذہین شاعر ہونے کی شہرتیں بھی آپ کے حصے میں آئی تھیں۔۔۔۔۔ زہد و اتقاء کے رنگ بھی آپ کی آنکھوں نے دیکھے تھے۔۔۔۔۔ عرفان و معرفت کی مے گلگوں نے بھی آپ کی حیات رحمت فروغ میں مستیاں بانٹی تھیں۔۔۔۔۔ آپ کے مہم جو قلم نے علوم وفنون کے ناقابل شکست ابواب کھولے تھے۔۔۔۔۔ آپ کی زبان حق آگاہ نے ان گنت ایوانوں میں لرزہ طاری کیا تھا۔۔۔۔۔ آپ کی فکر رسا نے بحر بصارت سے انمول موتی اکھٹے کئے تھے۔ دشت کائنات میں علوم و معارف کے تیز رفتار وسائل احمد رضا کی سواریاں بن کر منزل حسن کو قریب سے قریب تر کرنے میں منہمک تھے۔ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ بہت کچھ تھے۔ ان کے حسن کی عظمتوں کا بیان نیرنگی اسلوب کے جدید پیکروں میں ڈھل سکتا ہے۔ ان سے عقیدت رکھنے والا قلم بے تاب شوخیوں کے مہ پارے تاریخ کے اوراق میں بکھیر سکتا ہے اور ان کی خوبیاں لکھنے والا مورخ فردوس حسن میں سنابل رحمت اگا سکتا ہے لیکن فی وقت دیکھنا یہ ہے کہ عالم احمد رضا۔۔۔۔۔ فاضل احمد رضا۔۔۔۔۔ محدث احمد رضا۔۔۔۔۔ مفسر احمد رضا۔۔۔۔۔ نعت گو احمد رضا۔۔۔۔۔ عارف احمد رضا۔۔۔۔۔ فقیہہ احمد رضا۔۔۔۔۔ محقق احمد رضا۔۔۔۔۔ مورخ احمد رضا۔۔۔۔۔ کس چشمہ حیات سے فیض یاب ہو چکا تھا جس کی مستیوں نے اسے صاحب نگاہ انقلابی بنا دیا تھا، ایسا صاحب نگاہ جس کا سکوت تہور کلام بن گیا۔۔۔۔۔ جس کی خانقاہیت اجتماعیت کا شیرازہ ثابت ہوئی جس کی پرصولت آواز سے تاریخ کے بہرے کان کھل گئے۔

یاد رکھئے!

احمد رضا نبی نہیں تھے، رسول نہیں تھے، صحابی نہیں تھے، اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ جان کائنات ﷺ کے بعد کسی نبوت کے دعویدار کے منہ پر تھوکتے بھی نہیں تھے لیکن اس کے باوجود ان پر افکار عالیہ کا نزول ہوتا تھا، انہوں نے خطرات کے سربستہ رازوں کو بے حجاب دیکھنے کا وسیلہ حاصل کر لیا تھا، وہ شبنم کے قطروں میں مقدس آیات کے جلوے دیکھنے والا راہی بن چکے تھے۔

ان کی مہم جوئیوں نے وہ آئینہ حاصل کر لیا تھا جس میں ماضی اور مستقبل دونوں کو بیک وقت دیکھا جا سکتا ہو۔ ان کی محدود زندگی نے معرفت کا وہ مرحلہ طے کر لیا تھا جہاں رنگ بے رنگ، جانیں بے جان، زمان اور مکاں لامکاں دکھائی دیتے ہیں۔ عرفان کی دہلیز سے احمد رضا نے اپنی گود میں رحمتوں کے وہ پھول چنے کہ مستانہ وار جھوم جھوم کر اپنے پیچھے آنے والوں کو آواز دی آنے والو! بے حوصلہ نہ ہونا یہی صراط مستقیم ہے، یہی منہاج حقیقت ہے، اسی سے تسخیر کائنات کی جا سکتی ہے، اسی سے دشت مسائل عبور کیا جا سکتا ہے اور پھر پیار سے اپنی مساعی حیات کا ظرف انسانیت کی جھولی میں انڈیل دیا۔ احمد رضا نے کیا دیا اور تاریخ نے کیا دیکھا، یہ اہم عنوان ہے جس پر بڑی دقت سے کام ہونا چاہیے۔

امام شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جس دور میں جی رہے تھے، اس دور کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ دماغ اور دل اور عمل کرنے والے اعضاء اپنے اصل وظیفہ حیات سے محروم ہو جانے کی بناء پر فاسد ہو چکے تھے۔ اس دور کا منہاج انقلاب یہی ہو سکتا تھا کہ دل و دماغ اور قوائے عمل صحیح فکر، مناسب تعلیم، حقیقی عشق اور تقدیر بدل عمل کو منزل بنا کر اپنا رخ اس سمت موڑ دیتے، بظاہر یہ تصور حسین اور لطیف ہے لیکن حقیقت میں جبکہ انگریزی دور حکومت نے عربی درسگاہوں کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ مسلمانوں کا اپنے ماضی کی تاریخ سے ارتباط کمزور پڑ چکا تھا۔ جدید درسگاہوں میں اسلامی روایات کے خلاف طوفان بدتمیزی بپا تھا۔ علماء کی ایک خاصی تعداد انگریز کی خوشامد کو اپنا ایمان بنا چکی تھی۔ اسلامی احکام پر ادیبوں کے لہجے معذرت خواہانہ بن چکے تھے۔ اس دور کی صحافت ایک مخصوص دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسے میں احمد رضا ملت کے آنگن میں شبنم کی طرح اترے۔ ان کی فکر بجلیوں کی طرح کوندی، ان کی سیرت نے دھنک کی طرح رنگ بانٹے، ان کا فیض ساون کی طرح برسا۔ احمد رضا کا انقلابی کام افلاطونی طرز پر تھا نہ ہی ارسطوائی انداز میں ڈھلا تھا بلکہ یہ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ دنیا کے اکثر انقلابی اگر واپس دنیا میں آ جائیں تو وہ اپنے کیئے ہوئے کام سے توبہ کر لیں لیکن احمد رضا اگر دنیا میں واپس آ جائیں تو وہ دیوانہ وار

مستانہ وار اپنے ایک ایک کام، ایک ایک بات بلکہ ہر اقدام کو مکرر بجالائیں اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ سوچا تھا جو کچھ دیا تھا وہ تلمیذ النفس بن کر نہیں دیا تھا بلکہ ان کی راتیں، ان کے دن اور ان کی سیرت و کردار سب کچھ اس حسن میں ڈھلے تھے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔۔ امام احمد رضا کا عقیدہ انقلاب سادہ سا ہے لیکن اسے تاریخی تسلسل کی نعمت حاصل ہے، احمد رضا کے وجدان و شعور میں یہ بات حرکی ہمت بن کر راسخ ہو چکی تھی کہ ایمان کے بغیر ہر انقلاب بے جان اور بے روح رہتا ہے۔ احمد رضا کی زبان سے کروڑوں حروف صادر ہوئے۔ احمد رضا کے قلم نے ہزاروں لفظوں کے نقوش نذر قرطاس کئے۔ ان کی زندگی میں لمحے اور گھڑیاں ستارے بن کر چمکے، لیکن احمد رضا ایمان کو نہ بھول سکے۔ ان کی انقلابی فکر، جغرافیائی مدوجزر اور نشیب و فراز کو خاطر میں نہیں لاتی بلکہ ان کا ایمان راستے تیار کرتا ہے۔ منزلوں سے ہمکنار کرتا ہے، وطن عطا کرتا ہے، اقتدار کی چابیاں ہاتھ میں تھما دیتا ہے، بڑی سادہ سی بات ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں غوطہ زنی کرنے والوں کے جسم پر میل نہیں رہ سکتی اور تلمیذ رسول کی فکر اور اس کا راستہ غلط نہیں ہو سکتا۔ احمد رضا کا ایمان انہیں رسول اکرم ﷺ کی دہلیز نور پر رکھتا ہے، گویا وہ سلسبیل جنت کے کنارے بستے ہیں، اسی لئے ان کا منہاج، منہاج حق، ان کی منزل، منزل حسن، ان کی راہ، راہ مستقیم اور ان کا مسلک، مسلک ربانی رہتا ہے۔ احمد رضا چونکہ رب مصطفیٰ کو مانتے ہیں اس لئے ان کی توحید بھی غلطی نہیں کھاتی، ان کا الٰہ جہاں ایک رہتا ہے، بے نیاز ہوتا ہے وہاں وہ جھوٹ نہیں بولتا، خلف وعیدہ سے منزہ رہتا ہے، بہت سے لوگ اس دنیا میں ایسے ہیں جن کا ایمان بڑا عجیب ہے۔ وہ اللہ کو الٰہ مانتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کو رسول بھی مانتے ہیں لیکن ان کی زبان سے اگر چند وجیے لفظ نکل جائیں اور ان کا قلم آوارہ ہو جائے اور ان کے خیال وادی نیت میں بہک جائیں تو بھی ان کا ایمان ایمان رہتا ہے لیکن احمد رضا گویا پل صراط سے گزر رہے ہوں اور جیسے پل صراط سے بھی وہ اکیلے گزر رہے ہوں، اس لئے وہ جسے رب کہتے ہیں **منزہ عن العیوب** کہتے ہیں اور جسے رسول کہتے ہیں اسے **معصوم عن الخطا** کہتے ہیں۔ ان کا علم، ان کی

صلاحیتیں، ان کی شاعری اور ان کا ادب، ان کا قلم اور ان کی زبان پھر اسی عقیدہ کے پرچار کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔

احمد رضا کا ایمان اندر سے خالی ہے، وہ محض مابعد الطبیعیات اور الہیات کی کتابوں کا انداز نہیں رکھتا۔ ان کے ہاں ایمان کا پیٹ محبت سے خالی ہو تو وہ ڈھول کی تھاپ اور سارنگی کی کیں کیں ہے۔ احمد رضا کے نزدیک انقلاب کا جوہر حقیقی محبت اور عشق ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کارگاہ حیات کا نظم محبت سے ہے، محبت نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہ ہو۔ یہ رنگ تعمیر بھی ہے اور آہنگ معمار بھی۔ اگر حسن میں ناز اور جمال میں بانکپن ہے تو وہ بھی اسی لئے کہ کوئی چاہے اور کوئی محبت کرے گویا پھولوں کی لطافت، روشنیوں کی چمک، چمنستانوں کی آرائش، آسمانوں کی پہنائی سب کچھ محبت کا تڑپتا اظہار ہے۔ ریاضت، سجدے، رکوع اور سعی و طواف سب محبت ہی کی بے تابیاں ہیں، احمد رضا نے محبت کے اس جوہر انقلاب تک رسائی حاصل کر لی تھی اس لئے وہ محبت کرتے بھی تھے اور محبت کی دعوت بھی دیتے تھے۔ ان کی حدائق بخشش، ان کا فتاوی رضویہ، ان کے رسائل اور ان کی سینکڑوں کتابیں اس جذبہ صادقہ کو مہمیز لگاتی نظر آتی ہیں۔ اس عشق کی پائیدار قدروں نے زندگی کو احمد رضا کے ہاں اتنا مقدس بنا دیا کہ عشق رسالت مآب ﷺ سے مزین زندگی رشک آیات نظر آتی ہے۔ احمد رضا رسالت مآب ﷺ کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار بھی دیکھتے ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ ان کی نگاہیں قلب پر رہتی ہیں۔ وہ ایک ادائے رحمت سے کرم کا فن ملاحظہ کرتے رہتے ہیں اور یہ ادائے دلنواز انہیں اس کاروان نور میں لا کھڑا کرتی ہے، جہاں امن اور پیار، حسن اور سلامتی کے قاسم عبدالقادر جیلانی، حسن بصری، جلال الدین سیوطی اور خواجہ غریب نواز کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ انقلاب کے وہ داعین جو انسانیت کے دائروں میں بارود، دھواں، کالک، وحشت، خون اور انسانی بوٹیاں تقسیم کر رہے ہیں، کیا ان کے لئے احمد رضا کی محبت، عشق، لگن اور غلامی رسول مشعل راہ ثابت نہیں ہوتی؟

ممکن ہے احمد رضا سے بعض حلقوں کو شدت مزاجی کا شکوہ ہو لیکن انہیں جاننا چاہیئے کہ کلمہ

طیبہ بھی الا اللہ کے اثبات سے پہلے "لا الٰہ" کی نفی سے شروع ہوتا ہے۔ نفرت محبت کا دوسرا عکس ہوتی ہے۔ جس کو محبوب کے دشمن سے دشمنی کرنی نہیں آتی وہ اپنی محبت ہی میں کھوٹا ہوا کرتا ہے۔ احمد رضا سچے تھے، کوئی حلقہ اگر ان کا قصور یہ سمجھتا ہے کہ وہ دودھ میں مکھیاں ڈالنے والوں کو طہارت کی سند کیوں نہیں دیتے؟ آفتاب کے سامنے اپنے بدبودار ہاتھ رکھ کر اسے بے نوری کا الزام دینے والوں کو ماہ کامل کا لقب کیوں نہیں دیتے اور اپنی ناک سے گندگی گھسیٹنے والے کیڑوں کو رشک جگنو نہیں مانتے، تو انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ احمد رضا کی مجبوری ہے کہ وہ سچے ہیں، ان سے ہو نہیں سکتا کہ وہ جھوٹوں کے بحر ظلمات میں اپنے آپ کو اٹھا پھینکیں۔ تاریخ کو یہ کڑوا گھونٹ کسی وقت اپنے گلے سے اتارنا ہی پڑے گا کہ تسلیمہ نسرین اور رشدی سے محبت کا مطلب ابو بکر صدیق، عمر، عثمان اور علی سے نفرت ہوا کرتی ہے۔ احمد رضا بہت میٹھے اور اونچے بندے تھے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے حضور گستاخی کرنے والوں کو کبھی قابل معافی تصور نہ فرمایا۔ دین کا مسلمہ اصول ہے کہ تکبر کرنے والے سے تکبر صدقہ ہوا کرتا ہے۔ الجھنے والوں سے نہ الجھنا بزدلی ہوا کرتی ہے اور پھر خود سوچئے جو جان کائنات سے الجھے اسے دور جدید کا لبرل ازم ممکن ہے معاف کر دے لیکن احمد رضا نے تو نہ سرخ سامراج اور نہ سفید ظلمتوں، کسی سے ڈالر اور پونڈ نہیں لئے تھے۔ اس مظلوم تاریخ کا جرم فقط اتنا تھا کہ اس کا یہ عقیدہ محکم تھا۔

کروں مدح اہل دول رضا
پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا
میرا دین پارہ ناں نہیں

ایمان ومحبت کے بعد دینوی منہاج انقلاب کی دوسری بنیاد تعلیم اور علم ہے۔ جتنا بڑا انقلابی ہوگا اس کا تعلق علم اور تعلیم نبوی سے اتنا ہی زیادہ گہرا ہوگا۔ قرآن مجید کا پہلا پیغام "اقــــرأ" اس راز سے پردہ ہٹا کر مسلمانوں میں ترویج علم کی طرح ڈالتا ہے۔ یاد رکھئے! علم

ڈگریوں کا نام نہیں، علم وافر معلومات اکٹھی کر دینے کا نام نہیں، وگرنہ کمپیوٹر کو سب سے بڑا فاضل ماننا پڑے گا۔ علم صرف یادداشتیں محفوظ رکھنے کا نام بھی نہیں بلکہ سچی بات یہ ہے کہ سچا علم لائبریری اور مطالعہ ہر دو سے بے نیاز ہوتا ہے۔ حقیقی علم کسی ایسی ذات کے سامنے اپنے آپ کو مشاہدہ کے لئے وقف کر دینا ہوتا ہے جہاں پائیدار کردار کی تدوین جنم دی جاتی ہو۔ احمد رضا کو یہ نعمت میسر تھی۔ آپ جانتے تھے کہ زندگی کا حسن بدلنا ہوتا ہے اور کتاب کا حسن نہ بدلنا ہوتا ہے، ان دونوں میں اتصال کوئی ایسی ذات ہی پیدا کر سکتی ہے جس کے ہاتھ میں زندگی بھی ہو، علم بھی ہو اور علم کا خزانہ بھی وہ رکھتا ہو۔ احمد رضا علم میں اس لئے بہت آگے بڑھ گئے کہ ان کے علم کا استاد عشق رسول ٹھہرا، ان کی کتابوں میں نام محمد ﷺ کی روشنیوں نے انہیں وہ دوام عطا کر دیا ہے کہ وہ رہتی دنیا تک دعوت انقلاب دیتی رہیں گی۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام احمد رضا، ایک شخص، ایک تحریک

احمد رضا بر صغیر پاک و ہند کے ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے دور میں بلکہ زمان و مکان کی حدود و قیود سے ماورا ہو کر اسلامی زندگی کی ہمہ گیر روایات اور جدید دنیا کے جدید تقاضوں کے نظر افروز اور دلکش رنگ اور آہنگ کو سہارا دیا ہے۔ بدلتی دنیا میں بدلتی اقدار کے سرعت مآب ماحول میں پرانے چراغ جلا کر تازہ روشنی مہیا کرنا اتنا آسان کام نہیں، لیکن احمد رضا اپنی تخلیقات کے سہارے کم اور اپنے خلوص، جذبے، گداز، سچائی اور عشق کے آسرے زیادہ کٹھن سے کٹھن منزلوں کو بڑی جرأت اور بے باکی سے سر کر لیتے ہیں، ان کا یہی ذوق نگاہ، شوق راہ، سفر عشق، محبوب کی راہوں میں مٹنے کا جذبہ، حقائق کا ادراک اور زندگی کا انمٹ شعور انہیں وہ خوشبو عطا کر دیتا ہے جس سے وہ وہاں تک جا پہنچتے ہیں جہاں شخصیتیں اور مشخصات نہیں پہنچتے بلکہ پاکیزہ روحیں، تابندہ افکار، بیدار دل، برق نظر دماغ اور بہار آفرین خیالات ہی رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک عالم دین سچائی کی اس لاہوتی پرواز کی حلاوتوں سے جس وقت بہرہ مندہ ہو جاتا ہے یہی اس کی معراج ہوتی ہے، جہاں دریاؤں کی مچھلیاں، فضاؤں کی پیٹھ پر سوار ہو کر چہچہانے والے پرندے اور زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے اس کے لئے دعا گو ہو جاتے ہیں۔ احمد رضا عالم تھے، سچے عالم ’’مقبول عالم‘‘ محبوب عالم۔ احمد رضا عاشق تھے، سچے عاشق، نامدار عاشق، کامگار عاشق۔ منزلوں کی سچائی اور سفر کی صداقت نے ان کو زندگی میں اس معراج کی مستیاں دے رکھی تھیں، اس لئے وہ برملا کہتے تھے:

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

علم شعر شعور، وجد وجدان وجود، محنت سعی سوز اور ہنگامہ نشاط ساز سب کچھ ایک ہی مرکز کے مرہون منت ہیں اور وہ ہے زندگی۔ اجر و ثواب، زجر و عتاب، قانون قوت اور مذہب کتاب سب اسی محور کے گرداگرد گھومتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ بذات خود زندگی کا سرمایہ کیا ہے؟ اس کی ڈور کہاں سے ہلائی جاتی ہے؟ سنگ صحراؤں میں اس کے بھنور کون متحرک کرتا ہے۔ اس کے کاکل پیچاں میں خوشبوئیں بھرنے والا کون ہے؟ اس کے ہاتھوں پر حنا بندی کا اہتمام کیسے ممکن ہے؟ قوت، طاقت، تاج، تخت، دھن تن اس کے مظاہر ہیں اس کا حصہ نہیں، خیال ہے یہ کنز مخفی کی تحریک "احببت" ہے۔ یہ نسیم روح کی شامہ نواز خوشبو ہے۔ یہ مشتِ خاک میں "فَنَفَخْتُ فیہ من روحی" کی جلوہ گری ہے۔ سب سے زیادہ زندگی کا سراغ وہ شخص لگاتا ہے جس کے بدن میں جوہر حیات محبت، گوہر حیات عشق، مایہ حیات وارفتگی اور نغمہ حیات پریت کا چراغاں زیادہ ہوتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں فطرت نے یہ نعمت کبریٰ "احمد رضا" کو کس مقدار میں دے رکھی تھی۔

اس میں کیا شک ہے کہ احمد رضا کا سرمایہ دل و جان محبت تھی۔ ان کی نگارشات، ان کے نغمے، ان کے فتاویٰ اور ان کے گیت سب حرف محبت کی تفسیر اور خواب عشق کی تعبیر تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں:

"ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے"۔

اور پھر ان کی آرزو ملاحظہ ہو:۔

یا الٰہی جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

محبت جو بھی ہو اس کا سرچشمہ دل ہے، البتہ اس کے روپے متعدد ہیں، اس کی اصل پاکیزہ ہے اور رنگ متنوع ہیں۔ اسے دیکھا جا سکتا ہے، طبع بہ طبع اور دل بہ دل اسے پڑھا جا سکتا ہے، پو بہ

پو اور خو بہ خو اسے کریدا جا سکتا ہے، نخ بہ نخ اور تار بہ تار انسانوں کی دنیا میں انسان مختلف اور محبتوں کی دنیا میں محبتیں نوع بہ نوع، کوئی مکھیوں کی طرح نے و شکر کا متوالا، کوئی ماہ رخ محبوبوں کو ”ظالمانہ محبت“ کے تحفے دینے والا۔ کہیں دولت کمائی جا رہی ہے، کہیں ثروت لٹائی جا رہی ہے، کہیں عشق شاہی ہے اور کہیں شاہی عشق کی نعمتیں ہنگامہ زن۔ کہیں نشہ سیاست اور کہیں مستی وزارت گویا محبت کہیں نور ہے کہیں نار، کہیں زحمت ہے اور کہیں رحمت، کبھی حریم ہوس میں ارادہ دولت اور کبھی حرم لطافت میں جلوہ یزداں، کبھی قطرہ شبنم میں صورت انجم اور کبھی قلزم موت میں آتش منصور، کبھی سر بزم رسوائی کبھی پس حجاب معراج افزائی، کون سمجھے کون جانے جس تن لاگے سو تن جانے۔

صاحب!

سو آؤ دیکھتے ہیں کچھ من چلے جن کی خاک لحد ابھر ابھر کر، جن کی آتش عشق بھڑک بھڑک کر، جن کی سوزش نفس بھبک بھبک کر، نظر نظر، روش روش، گل بگل، دل بہ دل، کو بہ کو، در بدر اور خانہ بہ خانہ فہم و ذکا کے پھول نچھاور کر رہی ہے۔ زندگی صرف مہر و ماہ تک رسائی ہی نہیں، یہ صرف نیوٹن اور ایڈیسن کا نام ہی نہیں، یہ بلال بھی ہے، حسین بھی ہے، اولیس بھی ہے، جامی و رومی بھی۔ اسے حسن و فرزدق بھی کہتے ہیں اور یہ اقبال و احمد رضا بھی کہلاتی ہے۔ بلاشبہ عشق و محبت کی تاریخ میں راہ محبت کا ہر راہی یاد رکھا جائے گا لیکن رومی و جامی اور احمد رضا کے نام آسمان محبت پر مہر و ماہ کی طرح چمکتے رہیں گے، اس لئے بھی کہ وہ عاشق ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ خادم عشق و محبت ہیں۔ خصوصاً احمد رضا جو محبت کرتا ہی نہیں محبت سکھاتا بھی ہے، عشق رکھتا ہی نہیں عشق کا معلم بھی ہے، جلتا ہی نہیں راہ محبت میں جلنے کا روح گیر درس بھی دیتا ہے۔ احمد رضا تم کتنے خوبصورت لگتے ہو جب جان حسن و جمال کی دہلیز پر جھولی پھیلائے محض ان کے حسن کی خیرات مانگتے ہو۔

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے

جنت نہ دیں نہ دیں تیری رویت ہو خیر سے
اس گل کے آگے کس کو ہوس برگ و بر کی ہے
شربت نہ دیں نہ دیں تو کرے بات لطف سے
یہ شہد ہو تو پھر کسے پروا شکر کی ہے

احمد رضا تمہارے بخت پر کون ناز نہ کرے، تمہارے جگر کی پیاس کوشہ والا کی عطاؤں کے چھینٹے بجھاتے ہیں۔ تمہارے لبوں کے ساتھ محبوب رب العالمین کے تلووں کا دھوون لگتے ہوئے دیکھ کر بادشاہ بھی رشک کرتے ہیں۔ احمد رضا تمہارے محبوب حریر و پرنیاں پر چلنے کی بجائے خلد و فردوس اور لامکاں و لازماں کی نور پوش وادیوں میں گامزن ہوتے ہیں۔ تمہارے قلم پر قربان، تمہاری زبان پر فدا، تمہاری فکر پر تصدق، تمہارے آہنگ پر نثار، تم نے کتنے عظیم اور کتنے حسین محبوب کا انتخاب کیا ہے۔ کہتے ہیں سورج کی روشنی بند کمروں میں داخل ہو جاتی ہے احمد رضا تم پابہ خلوت رہے، خانہ بند زندگی بسر کی ہے لیکن یہ تمہارے محبوب کا اعجاز حسن ہے کہ وہ خلوت کو رشک جلوت اور ذروں کو رشک مہر و ماہ بنا دیتا ہے۔ اب سمجھ پڑتی ہے کہ تاریخ کے ظالمانہ سلوک کے باوجود تم زندہ کیوں ہو، تمہاری بریلی اتنی میٹھی کیوں ہے، تمہارا نام اتنے احترام سے کیوں لیا جاتا ہے۔ تم جس سمت آگئے ہو کیوں سکے بٹھا دیئے ہیں، اس لئے کہ تم نے زندہ محبوب کا انتخاب کیا ہے۔ قسم حسن و جمال کی وہ، وہ ہے اس سے جو ملا، اس کا جو ہوا، اس سے جس نے نسبت جوڑی، اس نے حیات طیبہ کے بحر ناپیدہ کنارے سے وہ آب حیات پی لیا کہ تاریخ کے بے مہر جھونکے اس کو نہ دبا سکے ہیں نہ مٹا سکے ہیں۔ جس نے زندہ مثال دیکھنی ہو وہ بریلی کے احمد رضا کو دیکھ لے۔ ایسا لگتا ہے وہ غنچہ بہ غنچہ، کو بہ کو، رُو بہ رُو، اور محفل بہ محفل، جہت بہ جہت، خانہ بہ خانہ اور مسجد بہ مسجد خود ہی روشنیوں کو لے کر، خوشبوئیں چرا کر کسی کے روئے تاباں کا تصور کرکے، لحجہ بہ لحجہ خود ہی پڑھ رہا ہے۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

کسی حسین شاہکار کو دیکھنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک قریب ہو کر دیکھنا اور خوب دیکھنا اور دوسرا ذرا فاصلے سے دیکھنا۔ احمد رضا کو بھی دونوں طریقوں سے دیکھا جا سکتا ہے، قریب سے بھی اور ذرا فاصلے سے بھی، لیکن مشکل یہ ہے کہ احمد رضا کو قریب سے دیکھنے میں آنکھیں چندھیا جاتی ہیں، اتنی روشنی، اتنا پیار، اتنی خوشبو، اتنی عطا، اتنی نوازشیں اور اتنا خلوص کہ دیکھنے والے کو اپنی تنگی داماں کا احساس شدت سے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور شاید کچھ لوگوں کے لئے اس لئے بھی یہ مرحلہ تلخ ہو کہ احمد رضا کسی کو اس کا اپنا نہیں چھوڑتے وہ توڑ کر، مروڑ کر، چیر کر، پھاڑ کر ایک نئے نمونے کا، ایک نئی ڈھب کا انسان تیار کرتے ہیں، ایسا انسان جس کا کچھ بھی اپنا نہ ہو سب کچھ وہ احمد رضا کے محبوب ﷺ کے ہاتھ بیچ دے اور پھر وہ جو چاہیں وہ وہی نظر آئے۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ احمد رضا کے قرب میں بیٹھنے والے عبد الحلیم کو، ضیاء الدین مدنی کو دیکھ لے۔ یہ کسی سنگ تراش کی صحبت میں نہیں بنے بلکہ عبد المصطفیٰ کے ذوق تربیت نے ان کو پالا ہے۔

وہ دور ہوں تو بجا ترک دوستی کا خیال
وہ پاس ہوں تو کہاں اختیار اپنا ہے

احمد رضا کو ذرا فاصلے سے دیکھیں تو بھی ماننا پڑتا ہے کہ اگر وہ رب العالمین کی تائید اور فضل یافتہ نہ ہوتے تو تیرہ سو کتابیں یادگار عشق و آگہی نہ رہتیں۔ پچاس سے زیادہ علوم و فنون کے نئے سے نئے دریچے وا نہ فرماتے۔ شعر و ادب میں معرکے بپا نہ فرماتے۔ تحریر و مناظرہ میں ان کے معاصران کے سامنے طفل مکتب دکھائی نہ دیتے۔ تدریس و بیان میں حسن بصری و ماتریدی کی یادیں تازہ نہ ہوتیں۔ ذہانت و جودت کے سامنے دانش کدوں میں بیٹھنے والے اپنے چراغوں کو گل نہ کر دیتے۔

اس انتہائے قرب نے دھندلا دیا تجھے
کچھ دور جا کے دیکھ سکوں تیرا بانکپن

انسان جب بھی ''انسان نَو'' کی تلاش میں نکلے گا۔ اذہان جب بھی ''آدم نَو'' کا تصور ذہن میں سجائیں گے، تصورات جب بھی ''پیکر حسن'' کی جستجو لے کر دماغ کے پردوں میں گھومیں گے اور ''نقوش وفا'' کو جب بھی کسی پائیدار ''لوح قلب'' کی ضرورت محسوس ہو گی، اسے تاریخ انسانیت بڑے غور سے پڑھنی ہو گی اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ تاریخ آدم میں عظمت وخوبی اور کامیابی وکامرانی کبھی بھی کسی ریاکار، شہرت پسند، بدخو، تغافل شعار، تساہل پسند انسان کا مقدر نہیں بنی۔ تاریخی عظمتیں مخلص، وفا شعار اور محنت پسند شخصیتوں کا زیور بنا کرتی ہیں۔ ''احمد رضا'' آغوش مادر سے لے کر مکتب پدر تک، عفت کم سنی سے لے کر شعور شباب تک اور تگ تعلیم سے لے کر تاز تدریس تک، افتاء تحقیق سے لے کر جنون ادراک تک، روح ایقان سے لے کر راحت ایمان تک اور ترفیع اخلاق سے لے کر صبر نظر تک ایک مخلص، خدا پرست، محنت پسند اور اخلاق آفرین مفکر دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کا نام محبت اور اخلاص کا ایک خوبصورت استعارہ بن جاتا ہے۔ آپ کا سینہ ایک لازوال غم کے سرچشمہ کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ آپ کی زندگی کی اٹل روش، دوٹوک فیصلے ایک خاموش طوفان اٹھا دیتے ہیں جو دیکھتے ہی دیکھتے عالم انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ احمد رضا انیسویں صدی میں وہ حق کی آواز بن کر ابھرتے ہیں کہ باطل باطنوں کی تمام فسوں سازیاں دم توڑ جاتی ہیں، پھر احمد رضا ملک سخن ہی نہیں ملک خدا میں جس سمت بڑھتے ہیں سکے بٹھا دیتے ہیں۔ کیوں نہ ہو احمد رضا جس سیڑھی پر چڑھ کر بلندیوں کی انتہا تک پہنچتے ہیں وہ انہیں اس سرکار سے ملتی ہے جن کی رسائیاں اس مالک الملک تک ہیں جس کی قدرت میں ذرہ بھر شک نہیں۔

اتنا عجب بلندی جنت پہ کس لئے
دیکھا نہیں کہ بھیک یہ کس اونچے گھر کی ہے

یادیں بڑی عجب چیز ہیں، نیند کی طرح یہ سولی پر بھی آجاتی ہیں، انہیں پکڑنا چاہو تو ہولے سے حریم ذہن سے اتر جاتی ہیں اور انہیں دفنانا چاہو تو زندہ پیکر بن کر کبھی باتیں کرتی ہیں، کبھی

نازکی اور کبھی نیازکی اور کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ یہ ظالم الجھ پڑتی ہیں، مار پٹائی دھینگا مشتی سے چمن راحت کو خرابہ ویران میں بدل دیتی ہیں۔ احمد رضا کا معاملہ بھی دوطرحی ہے۔ وہ یاد بھی آتے ہیں اور کبھی ذہن سے اتر بھی جاتے ہیں، کیا کیا جائے، ذہن ہے یہ بھولتا بھی ہے اور یاد بھی رکھتا ہے۔ یہ یادرکھنے اور بھولنے کا عمل احمد رضا کے دوستوں اور دشمنوں سبھی کو میسر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ “احمد رضا” کے دشمن وہ ہیں جو ان کے محبوب ﷺ کو پسند نہیں کرتے، وہ جب حبیب کردگار کو سب وشتم کرتے ہیں “احمد رضا” انھیں بھاری سی باتیں سنا کر ان کے ذہن میں اپنی یاد تازہ کر لیتے ہیں، پھر وہ احمد رضا کو خوب کوستے ہیں اور احمد رضا بہت خوش ہوتے ہیں کہ چلو ان کے محبوب کو یہ کچھ نہ کہیں، احمد رضا کو جتنی چاہیں گالیاں دے لیں۔

صاحبو!

گویا احمد رضا کے دشمنوں کے لئے بھی “احمد رضا” کو بھولنا دین کے حق میں بہتر نہ ہوگا۔ رہا معاملہ دوستوں کا تو انھیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کا احمد رضا کتنا عظیم تھا کہ اس نے انھیں اپنی یاد کا درس نہ دیا بلکہ اپنی ذات کو اپنے محبوب کے حرم میں اس قدر بے وقعت پیش کیا کہ ذہنوں پر احمد رضا کے محبوب ﷺ چھا گئے اور روحیں گنگنانے لگیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ بات اگرچہ وزن رکھتی ہے کہ وسیع علم اور عمیق فکر سے بلند شخصیتیں اپنے اپنے زمانوں میں معاصر لوگوں کے درمیان اپنا تفرد قائم کرتی ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ وزنی بات یہ ہے کہ حسین افکار اور سچے علم کو جب تک اظہار وابلاغ کا لبادہ میسر نہ آئے وہ بے پھل رہتے ہیں۔ قرآن حکیم دراصل “سورہ رحمٰن” میں اسی بیان کو “حسن انسان” کا عنوان بنا کر پیش کرتا ہے۔ اظہار اور ابلاغ کے لئے زندہ خطبے، بلند آہنگ شعر اور خوبصورت تحریریں وسیلے کا کام دیتی ہیں۔ احمد رضا اس وظیفہ حیات سے غافل نہیں تھے، ان کی بعض مدون تقریریں اور محرابی خطبوں سے ان

کی شان خطابت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ شخص جس کا ایک ایک فی البدیہہ خطبہ لازوال کتاب بن جائے، ایسی کتاب جس کے ایک حرف کو بھی احمد رضا کے دشمن مقدم اور موخر نہ کر سکیں۔ دل میں اس خیال کو ابھارتا ہے کہ "احمد رضا" کے دوستوں نے اس کے دور میں اس سے وفا نہیں کی۔

معاف کیجئے!

یہ بہت ثقیل ضرب ہو گی اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ان کی کتابوں اور خطبوں کی نایافت "تاریخ علم" کے ساتھ نہایت قاہرانہ اور ظالمانہ زیادتی ہے۔ احمد رضا کی باتوں میں الفاظ کا دروبست بتاتا ہے کہ وہ طبیعتوں میں کھب جانے کا انداز خوب جانتے تھے، انداز نہ ہو تو قرآن مجید کی رضوی ترجمانی دیکھیے، ان کے محرابی خطبات پڑھیئے، تاثر اور تاثیر کی گویا آبشاریں گر رہی ہوں۔ طبیعت، دماغ اور دل جیسے انہیں کسی نے قدم لگا دیئے ہوں۔

احمد رضا کے ابلاغ کا اصل میدان ان کی شعر گوئی اور نثری تحریریں ہیں۔ شعری مزاج سے اگر اتنی زیادہ واقفیت نہ بھی ہو تو موٹی سی بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ شعر کہنے کے لئے بڑھاپے میں بھی جوانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہاں خواجہ میر درد بھی ہوں تو محبوباؤں کی شوخیوں اور محبوبیوں کو دیکھ کر جنت فردوس کے مزے بھول جاتے ہیں۔ اقبال کی تہہ در تہہ شاعری کے عمیق فکری پردوں میں بھی بعض اوقات کوئی "عشوہ ناز" آ کر چھپ جاتی ہے۔

برا نہ مانئے!

کبھی چور غلاف کعبہ میں بھی آ کر چھپ جاتے ہیں۔ میں علامہ مشرقی کی طرح شعر کو درماندگیوں کی وقتی تجسیم اور غفلتوں کے جہاں نما جام اور شہوات ولذات کے پرہنگام طبل قرار نہیں دیتا، تاہم پھر بھی یہ ضرور کہوں گا کہ شاعری میں متنبی سے لے کر امرالقیس تک، غالب سے اقبال تک، حافظ سے سعدی تک، وارث شاہ سے میاں صاحب تک، سلمٰی سلیمہ، ربیعہ لیلیٰ، طاہرہ قرۃ العین، سوہنی بدر جمال اور شیریں کہیں نہ کہیں سے آ ٹپکتی ہیں لیکن احمد رضا عجب شاعر ہے وہ بھی اور اس کا مکتب عشق بھی شعر و سخن کے لئے جوانی ڈھونڈتے ہیں لیکن اس کا مطمح نظر کچھ اور ہوتا ہے۔

ثنائے سرور کونین میں اتنا اثر دیکھا
مری پیری زلیخا کی جوانی ہوتی جاتی ہے

یاد پڑتا ہے کبھی پنجاب کے کسی دیہات میں ”قصیدہ غوثیہ“ کا ایک شعر پڑھا تھا، ایک دیہاتی جھوم اٹھا اور کہنے لگا ”شاہ جی چھڈ وایہہ شاعری نئیں کجھ ہور ای گل اے“ صاحب! احمد رضا کو پڑھ کر، ان کی مبصر شاعری کو دیکھ کر، ان کی آہوں کراہوں کے ساز مضراب کو سن کر اور ان کے جذبوں کے ہبوط کو محسوس کر کے دل کہتا ہے ”شاہ جی چھڈ وایہہ شاعری نئیں کجھ ہور ای گل اے“۔

احمد رضا کی شاعری تقدس، طہارت، جذبوں، نیک ارادوں، ہنگ وتاز اور عشق رسول کی ایک لازوال تاریخ ہے۔ احوال اُمت مسلمہ کی یخ بستہ راتوں اور مادہ زدہ دنوں کو احمد رضا عشق رسول کی انگیٹھی سے گرماتے رہیں گے۔ احمد رضا کی شاعری اب ”لوح محفوظ“ کی جھلک ہو کر تابندگی حاصل کر چکی ہے، اس لئے کہ اس کے حرف حرف میں میٹھے نبی کے پیارے نام کی جگمگاتی روشنیاں شامل ہو چکی ہیں۔ رہا معاملہ ان کی تحریروں کا، نگارشات کا اور تحقیقات انیقات کا تو ناموس رسالت کے تحفظی آہنگ نے انہیں بھی آسمانی سرمایہ بنا دیا ہے۔ مولانا روم نے اپنی ایک تمثیلی حکایت میں کہا تھا کہ مجنوں سے کسی نے پوچھا تم صحرا میں کیا لکھ رہے ہو؟ اس نے کہا تھا ”نام لیلیٰ“ کی مشق کر رہا ہوں۔ احمد رضا کی تحریریں کیا ہیں نام محمد کی ریاضت ہیں۔ اسی ریاضت ہی کی مستی نے احمد رضا کو قلم دوات تھما دی اور پھر وہ تا دم انتقال اسی ریاضت میں مشغول رہے۔ مدح وستائش کی پرواہ نہ ذم وتذمیم کی شکستگی، بس محبوب کی نعتیں اور محبوب کی باتیں لکھتے جا رہے ہیں اور تاریخ محبت بنتی جا رہی ہے۔

عصر حاضر میں جب کہ مادیت کا پیٹ پھیلتا جا رہا ہے اور روحانیت کا سینہ سکڑتا جا رہا ہے، کیا ہرج ہے کہ ”سکون دل“ کی دولت کے نقطہ نظر سے بھی دیکھ لیا جائے کہ علم والوں پر کیا گزرتی ہے، دولت دار کیا کر رہے ہیں، محل سراؤں میں بسنے والے اس رحمت خداداد سے کس قدر متلذذ ہو رہے ہیں، قلم دوات کی دنیا میں رہنے والے ”حروف رحمانی“ کی کائنات سے اطمینان کے شہد

سے کتنے شیریں کام ہو رہے ہیں۔ خیال ہے یہ دولت انسان کے خارج سے نہیں داخل سے اُبھرتی ہے۔ اس کا معطی بلا واسطہ رب الجلیل ہے۔ مطمئن ہمیشہ وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے دل کا ظرف وسیع کر لیتا ہے اور نور کی دہلیز پر حقیقتاً سائل بن جاتا ہے، پھر نور کی سرکار اس کو اتنا عطا کر دیتی ہیں کہ وہ حامل اطمینان ہی نہیں رہتا بلکہ اطمینان آفرین بھی بن جاتا ہے۔ احمد رضا کے احوال گو کہتے ہیں کہ بن دیکھے سینکڑوں کتابوں کا حوالہ دے دیتے تھے۔ آخری عمر میں دیکھا گیا کہ آپ لائبریری سے بے نیاز رہتے۔ ان کی ساری زندگی ایک کمرے سے مسجد تک گزری لیکن اس حسن ساز اور تاریخ آفریں سفر نے نجانے انہیں اتنا مطمئن کیوں کر دیا اور پھر یہ کہ اطمینان اور سکون کے بغیر بھی لکھا نہیں جاتا، یقیناً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے دل کو کشکول بنا لیا تھا جو ہمہ دم جان کائنات ﷺ سے حسن و اطمینان کی خیرات لینے کے لئے تیار رہتا اور وہ بھی انہیں ایسا عطا فرماتے، احمد رضا کو ان کی ہر نسبت کا احترام کرتے لیکن ان کے سوا وہ کسی کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔ یہ شعر نہیں منشور حیات ہے، مطمئن زندگی کے آب حیات تک رسائی کا وسیلہ ہے، وقت ہو تو اسے ضرور پڑھیے ضرور گنگنائیے اور اس مسلک کو ضرور اپنائیے۔

کروں مدح اہل دول رضا
پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا
میرا دین پارہ ناں نہیں

اس وقت انسانیت کے اصل مسائل بھوک اور افلاس تو ہیں ہی، حسد، بغض، کینہ، جسم پرستی، نفرت، قتل اور دہشت گردی بھی ہیں۔ ''احمد رضا'' کے دل سے اگر یہ سبق سیکھ لیا جائے کہ نام محمد کا نقش سینہ بہ سینہ اور دل بہ دل اور روح بہ روح مرتسم ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں انسانوں کی بہت سی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ احمد رضا کا درس، احمد رضا کا فکر اور احمد رضا کا فلسفہ راحت بس یہی ہے۔

ان کے در پر بیٹھئے بن کر فقیر
بے نواؤ فکر ثروت کیجیے
نعرہ کیجیے "یا رسول اللہ" کا
مفلسو سامان دولت کیجیے
اپنی اک میٹھی نظر کے شہد سے
چارہ زہر مصیبت کیجیے

احمد رضا کی دعوت محبت پر لبیک کہنے والوں کی اگرچہ آج ایک کثیر فوج موجود ہے، لیکن احمد رضا کل اکیلا و تنہا تھا جب مدارس اور "دارالعلوم" مصلحت کیشیوں کے چرنوں میں وفاؤں کی جبینیں رگڑ رہے تھے۔ احمد رضا تنہا بدنسب حاکموں، اعداء الرسول اور ریا کار مبتدعین کے خلاف سینہ سپر تھا، اس نے پیمان وفا صرف تہذیب مدینہ سے باندھا، اس نے دست رفاقت صرف حضور کے غلاموں کی طرف بڑھایا۔ آج یہ اس کے خلوص کا ثمر ہے کہ رسولی نسبتوں کے خادمین نکہت فروز لفظوں سے احمد رضا کو تعظیم و توقیر کی سلامیاں دیتے ہیں اور تاریخ بذات خود سر فگندہ "بریلی" کی چوکھٹ پر کھڑی اپنی زیادتیوں پر معافی کی خواستگار دکھائی دے رہی ہے۔

ایک بات نہ بھولئے گا، ہمارے دور میں جب گلی گلی فکری انتشار نے ملی وجود کو منتشر کر رکھا ہے، شخصیتیں بکھر چکی ہیں، افکار صحیحہ کے چراغ گل ہو رہے ہیں، نظریاتی ادب موت کی سسکیوں میں مبتلا ہے، انسانی آبرو اور وقار "معصیت زدہ کلچر" کے نرغے میں گھر چکا ہے۔ وی سی آر، ڈش فلشن اور ریا کارانہ تمدن نے عالی وقار بزرگوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ بت پرستیاں، جسم فروشیاں "دعویٰ ہائے تجدید دین" کے نام پر دوں خیالات کا پرچار صالح فکر کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ احمد رضا کو غور سے دیکھو، وہ ریا کار نہ تھے، راہ حق کے مخلص اور وفا شعار خادم تھے۔ بدعات اور رسوم باطلہ کے موید نہ تھے بلکہ تجدید سنت کے داعی تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

کی تصنیف لطیف

”ما ثبت بالسنہ“

کا رواں اردو ترجمہ

”مسلمان کے شب و روز“

مترجم

علامہ مفتی غلام معین الدین نعیمی

تقدیم

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارضی مخلوق میں پروردگار عالم نے یہ سعادت انسان ہی کو بخشی کہ اس کے سر پر کرامت وعزت کا تاج رکھا، اسے بربادی وہلاکت سے بچانے اور فساد وتخریب سے محفوظ رکھنے کے لئے رسالت اور نبوت کا نظام قائم کیا۔ مختلف ادوار میں انسان اصلاح وتعمیر کے لئے انبیاء ورسل کی طرف رجوع کرتے رہے اور ان معصوم انسانوں کی وساطت اور وسیلہ سے انسانوں کو فلاح وخیر، تعمیر وارتقاء، کامیابی وکامرانی اور علم وعرفان کی دولت میسر آتی رہی تا آنکہ حضور ﷺ کی آمد وبعثت سے شرک وغفلت، خبث ورجس، کفر وباطل اور شقاوت وجہالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں، آسمان شہود پر حق کا ہلال بدر منیر بن کر چمکنے لگا، شیطان ابلیس دین حق اور انوار الٰہیہ کے شہاب ثاقب سے ڈر کر پناہ کا متلاشی ہونے لگا، انسانیت کی پامال قدریں اعلیٰ وارفع ہونے لگیں، بولہبی کی محرومیاں اور شرک وکفر کی غلاظتیں دیکھ کر سلیم دل حق کی بیعت کرنے لگا، انسان نصرت الٰہیہ سے فوج در فوج پرچم حق کے نیچے جمع ہوئے یہاں تک کہ رسول محتشم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لسان قرآن سے یہ انقلاب آفریں اعلان فرماتے ہوئے تکمیل دین کا مژدہ سنایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ
الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:۳)

> ”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کردیں اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کرلیا“۔

رسول معظم اور حبیب مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ دین مبین جس نے انسانیت کے گلے سے جہالت کے طوق نکالے، ان کے پاؤں میں پڑی ہوئی بت پرستی کی زنجیریں توڑیں،

چونکہ اسلام قیامت تک ہونے والے انسانوں کا دین تھا بنابریں اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود خداوند کریم نے اٹھایا۔

ارشاد باری ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ (الحجر:۹)

"بے شک یہ قرآن ہم نے ہی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا اور بے شک ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

جس دنیا میں ہم بس رہے ہیں چونکہ عالم الاسباب ہے اس لئے یہاں ہر کام سبب، علت اور قانون کے موافق طے پاتا ہے اگرچہ ہر کام کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ حفاظت دین کے اہم کام کے لئے بھی اللہ پاک جب چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے انتخاب فرما لیتا ہے۔ اس طرح اللہ کے نیک، صالح اور دین پسند بندے اظہار حق اور ابطال باطل کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔ ان کی خوئے استقامت وثبات اور نور ایمان سے جادۂ حق ہمیشہ روشن رہتا ہے۔ حوادث زمانہ، نامساعد حالات اور طغیانی الحاد اپنی پوری کوششوں کے باوجود انہیں اپنے موقف سے نہیں ہٹا سکتے، ان کی زندگی کا مقصد فقط یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے راضی رہیں اور اللہ ان سے راضی ہو جائے، یہی وہ لوگ ہیں جن کا وجود بدی کے لئے تلوار اور نیکی کے لئے حوصلوں اور ہمت کا نشان ہوتا ہے۔

بآں گروہے کہ از ساغر وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

یہ غلامان مصطفیٰ ﷺ اور وارفتگان رسالت مآب ﷺ ہی تھے جو ہر زمانے اور ہر دور میں رنگ ونسل، حسب ونسب اور ملک ووطن کی قیود وحدود اور تعلق وعلائق سے بے پرواہ ہو کر دنیا بھر کے انسانوں کو خدا پرستی اور حقیقت پسندی کا درس دیتے رہے۔ یہ ان ہی خدا مست بزرگان دین کی محنت وکاوش، تگ وتاز اور شبانہ روز محنت وریاضت کا نتیجہ ہے کہ آج زمین پر چپہ چپہ کے

فاصلے پر مسجدیں اور خانقاہیں آباد ہیں، جہاں پر صباح و مساء اور لیل و نہار ہر آن خداوند قدوس کی کبریائی کے نغمے فضائے عالم کو مترنم کیے ہوئے ہیں۔ انسانیت نظام مصطفیٰ ﷺ سے ہر لحظہ تازگی اور توانائی حاصل کر رہی ہے۔ ایمان و ایقان کی فرحت بخش شبنم خیابان قلب و نظر میں کیف و مسرت کا سماں باندھ رہی ہے اور فکر و بصر کی تشنہ کام کشت قرآن و سنت کے چشمہ صافی سے اپنی پیاس بجھا رہی ہے۔

ہمارا برصغیر پاک و ہند بھی دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح ایک وقت جہالت کی اتھاہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا بلکہ پرانی تاریخ کے اعتبار سے تو اسے اگر بت گری اور صنم پرستی کا گھر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔۔۔۔۔۔ تین کروڑ بتوں کی اس سرزمین پر ضرورت تھی کہ کوئی عظمت خدا کا ترانہ چھیڑتا "ان الحکم الا للہ" کے نعرے عام ہوتے، نیکی اور خیر کے جسد مردہ میں زندگی کی روح پھونکی جاتی۔۔۔۔۔۔ خدا نے مہربانی فرمائی۔۔۔۔۔۔ رحیم آقا کے دریائے رحمت میں جوش آیا۔۔۔۔۔۔ چشم مصطفیٰ ﷺ کا رخ ادھر ہوا۔۔۔۔۔۔ رضا جویان مصطفیٰ ﷺ۔۔۔۔۔۔ داتا علی ہجویری، خواجہ غریب نواز، سید اسماعیل بخاری، جلال محمود مکی، بدرالدین شاہ، بختیار کاکی، بابا فرید گنج شکر اور ان ایسے بے شمار بزرگان دین توکل اور خدا تعلقی کے اسلحہ سے لیس ہو کر اس کفر کے گھر پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ شرک و بدعت کے سارے قلعے مسمار ہو کر رہ گئے۔ انسانیت کی پامال قدریں بحال ہوئیں، قلب و ذہن کے سومنات اللہ اکبر کی صدائے بت شکن سے مفتوح و مغلوب ہوئے اور سنگ و حجر اور قصب و خشب کے سامنے ناصیہ فرسائی کرنے والے توحید و رسالت کے متوالے بن گئے۔

ہندوستان میں سولہویں اور سترہویں صدی کا دور ایک خاص اہمیت کا حامل ہے، یہی وہ زمانہ تھا جب اکبر کی الحاد آفریں اور کفر ساز تحریک کے اثرات عوام ہی نہیں خواص بھی قبول کر رہے تھے۔ لذت طلبی، تن آسانی اور رفاہیت ناقصہ کا مسلک عام ہو رہا تھا۔ علماء عقل و خرد کی باریکیوں میں پڑ کر روحانی زندگی کی لطافتیں اور دلکشیاں فراموش کر چکے تھے، مشائخ کی زندگی سے عملیت

صالحہ کا وجود ختم ہو جانے کی وجہ سے خانقاہیں محبت و معرفت سے بیگانہ ہو چکی تھیں اور حوصلے مایوسیوں کی تاریکی میں دم توڑ کر حسن نمو کھو چکے تھے۔۔۔۔۔ آخر محبت کی گرمی، نظر کی فراست، روح کی بالیدگی، عقیدوں کی صحت، خلوص کا جوش، علم کی گہرائی، اصلاح کا جذبہ اور عمل کی پختگی اہل اللہ ہی کے دم قدم سے اپنا وجود قائم کرتی ہے اور اہل قلب و نظر ہی اپنی نے نوازی سے انسانیت کے افق مقدر پر ہدایت کے آفتاب روشن کرتے ہیں۔

ہندوستان میں الحاد و بے دینی کو ہدایت و عرفان سے بدلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے چند عبقری اور نابغہ روزگار ہستیاں پیدا کیں۔ جنہوں نے اپنی حکمت و فراست سے ملت کا منتشر سرمایہ اکٹھا کیا، کتاب و سنت سے بے اعتنائی برتنے والوں کے سینوں میں اتباع شریعت کے چراغ روشن کئے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی صبح و شام کی محنت سے دنیا پرستی کی لعنت کا الا اللہ کی ضرب کاری سے خاتمہ کیا اور عقل و خرد کے مثلہ شدہ وجود کو محبت و عشق کے آب صافی سے غسل دے کر حکمت و بصیرت کا لباس بخشا۔

اس دور سولہویں اور سترہویں صدی میں احیائے ملت اور تجدید دین کا یہ مقدس فریضہ جن بزرگوں نے سرانجام دیا، ان میں حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ ان بزرگوں کا تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں طریقہ کار اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف تھا لیکن مقاصد میں ہم آہنگی ہونے کی وجہ سے سمت ہمیشہ ایک ہی رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی اپنی بھرپور اور متحرک زندگی سے جلوتوں میں خلوتوں کا رنگ بھر رہے تھے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی محتاط تصنیف و تالیف سے خلوتوں میں جلوتوں کا سا انداز پیدا فرما رہے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی پر نامکمل ہی سہی لیکن کافی حد تک کام ہوا ہے لیکن اسے ہماری تاریخ کا المیہ کہیے کہ حضرت شیخ محدث پر دو ایک کے سوا کام کی کتابیں نہیں ملتیں، اس میں صاحب انصاف اپنوں کی سستی کہیئے یا جفا شعار بیگانوں کی زیادتی، تاہم کچھ تو ہے کہ ابھی تک

قوم حضرت شیخ کے جلی کارناموں سے پوری طرح آگاہ نہیں حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ دیار ہند کے باسیوں کو ادب کی زبان، محبت کا انداز، عشق کا اسلوب اور شریعت کا قرب عطا کرنے میں حضرت شیخ کا بہت بڑا حصہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام، شاہ سوری کے زمانہ میں 1551ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ سیف الدین تھا۔ حضرت شیخ محدث کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ہی کی آغوش عنایت میں ہوئی۔ سب سے پہلے آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دی گئی۔ حضرت محدث نے خدا کے فضل و کرم اور اپنی غیر معمولی ذہانت سے دو چار مہینوں ہی میں قرآن مجید ختم کر لیا۔ میزان، کافیہ اور مصباح تک ساری کتابیں اپنے والد صاحب ہی سے پڑھیں۔ اس وقت تک مشکل سے حضرت شیخ کی عمر دس سال تک پہنچی ہوگی۔ آپ نے بارہ برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد اور پندرہ سال کی عمر میں مختصر اور مطول پڑھ لی۔ اسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کو حفظ قرآن کی نعمت سے بھی نواز دیا۔ دوران تعلیم محنت کا یہ حال تھا کہ آپ خود فرماتے ہیں:

ہرگز در شوق کسب و کار طعام بوقت نخوردہ وخواب در محل نبردہ (اخبار الاخیار)

اثنائے تعلیم کبھی وقت پر کھانا نہ کھایا اور نہ کبھی جی بھر کر سویا۔

حضرت شیخ کو علوم و فنون میں اس قدر مہارت ہوئی کہ آپ کے اساتذہ نے بھی اس امر کا اعتراف کیا۔۔۔۔۔

ماراازتو مستفید یم و مارابرتو منتے نیست (اخبار الاخیار)

"ہمیں تجھ سے فائدہ ہوا، ہمارا تجھ پر کوئی احسان نہیں"۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت محدث نے درس و تدریس کو اپنا مشغلہ بنایا لیکن ہر دم یہ خیال رہتا کہ خدا حجاز کی حاضری نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ حضرت شیخ کو ہندوستان کی سرزمین پر محبت و عشق کا نے نواز بنایا تھا اس لئے ضروری ہوا کہ آپ وصل دیار محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقائق و اسرار سے آگاہ ہوں۔ 996ھ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو در حبیب پر بلا لیا۔

حضرت شیخ، حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

چارہ گر بے چارگاں و راہنمائے آوارگاں
مرا بجانب خود طلبید و من بے خانماں
را سلسلہ شوق بگردن افگندہ بسوئے
خانۂ خود کشید و من نا مراد را بہ منزل مراد
رسانید یعنی بدر گاہ حبیب خود جائے داد

(اخبار الاخیار بحوالہ حیات شیخ از خلیق نظامی)

"بے چاروں کے چارہ گر اور بے حال لوگوں کے رہنما نے مجھے اپنی طرف بلالیا اور مجھ بے خانماں کی گردن میں شوق کی زنجیر ڈال کر اپنی طرف کھینچ لیا اور اس طرح مجھ نامراد کو اپنے حبیب کے حضور جگہ دے کر مراد تک پہنچایا"۔

حضرت شیخ کے عشق رسول ﷺ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ جب مدینہ شریف میں حاضری کے لئے داخل ہونے لگے تو ادب واحترام سے برہنہ پا ہوگئے اور قیام کے دوران ایک طویل قصیدہ رقم فرمایا جس کا ایک ایک شعر محبت وعشق میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

حضرت شیخ نے حرمین شریفین میں تقریباً تین چار سال قیام فرمایا، دوران قیام محدثین حرمین سے علم الحدیث میں استفادہ کیا۔ خصوصاً حضرت عبدالوہاب متقی کی مجالس نے آپ کی طبیعت پر ایک عجیب رنگ چھوڑا اور واپسی پر طبیعت مائل نہ تھی لیکن حضرت عبدالوہاب متقی کے حکم سے 1000ھ میں واپس عازم ہندوستان ہوئے۔

روحانی لحاظ سے حضرت شیخ کو اپنے والد ماجد حضرت موسیٰ گیلانی، شیخ وجیہ الدین، حضرت عبدالوہاب متقی اور حضرت خواجہ باقی باللہ سے تلمذ حاصل تھا۔ آپ کو قادریہ، چشتیہ، شاذلیہ، مدنیہ اور نقشبندیہ سارے ہی سلسلوں میں سند اجازت حاصل تھی، لیکن حضرت غوث الاعظم سے آپ کو جنون کی حد تک محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس عبارت سے بخوبی ہوسکتا ہے:

حضرت شیخ، حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

چارہ گر بے چارگاں و راہنمائے آوارگاں
مرا بجانب خود طلبید و من بے خانماں
را سلسلہ شوق بگردن افگندہ بسوئے
خانۂ خود کشید و من نا مراد را بہ منزل مراد
رسانید یعنی بدر گاہ حبیب خود جائے داد

(اخبار الاخیار بحوالہ حیات شیخ از خلیق نظامی)

”بے چاروں کے چارہ گر اور بے حال لوگوں کے رہنما نے مجھے اپنی طرف بلا لیا اور مجھ بے خانماں کی گردن میں شوق کی زنجیر ڈال کر اپنی طرف کھینچ لیا اور اس طرح مجھ نامراد کو اپنے حبیب کے حضور جگہ دے کر مراد تک پہنچایا“۔

حضرت شیخ کے عشق رسول ﷺ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ جب مدینہ شریف میں حاضری کے لئے داخل ہونے لگے تو ادب واحترام سے برہنہ پا ہو گئے اور قیام کے دوران ایک طویل قصیدہ رقم فرمایا جس کا ایک ایک شعر محبت و عشق میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

حضرت شیخ نے حرمین شریفین میں تقریباً تین چار سال قیام فرمایا، دوران قیام محدثین حرمین سے علم الحدیث میں استفادہ کیا۔ خصوصاً حضرت عبدالوہاب متقی کی مجالس نے آپ کی طبیعت پر ایک عجیب رنگ چھوڑا اور واپسی پر طبیعت مائل نہ تھی لیکن حضرت عبدالوہاب متقی کے حکم سے 1000ھ میں واپس عازم ہندوستان ہوئے۔

روحانی لحاظ سے حضرت شیخ کو اپنے والد ماجد حضرت موسیٰ گیلانی، شیخ وجیہ الدین، حضرت عبدالوہاب متقی اور حضرت خواجہ باقی باللہ سے تلمذ حاصل تھا۔ آپ کو قادریہ، چشتیہ، شاذلیہ، مدنیہ اور نقشبندیہ سارے ہی سلسلوں میں سند اجازت حاصل تھی، لیکن حضرت غوث الاعظم سے آپ کو جنون کی حد تک محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس عبارت سے بخوبی ہوسکتا ہے:

> ''اگر دوسرے اولیاء قطب ہیں تو وہ قطبوں کے قطب ہیں، اگر یہ بادشاہ ہیں تو وہ بادشاہوں کے بادشاہ، محی الدین کہ دین اسلام زندہ فرمایا۔ ملت کفر کو موت کے گھاٹ اتارا کہ شیخ جلاتا مارتا ہے خوشا کہ ایجاد دین خدائے حی وقیوم سے ہے اور احیائے دین ان سے''۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی زندگی میں کام کے لئے جس میدان کا انتخاب کیا، وہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف تھا۔ آپ کی ساری زندگی **قال اللہ و قال الرسول** کی خدمت میں گزری۔ آپ نے محبت نبی اور عشق رسول ﷺ کے وہ چراغ روشن کیے جن کی ضیا سے آج بھی بھٹکے ہوئے لوگ اپنے دل ودماغ کو روشن کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ کا اصل کارنامہ اپنے دور کے شاتمین رسول ﷺ کو بے نقاب کرنا ہے۔ ادب واحترام اور محبت وعشق کی جو تعلیم حضرت شیخ نے دی اس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی بلکہ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو حضرت شاہ احمد رضا خان، حضرت فضل حق خیرآبادی اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی جنہوں نے اپنے دور میں بے ادبی کے طوفان کا بھرپور مقابلہ کیا، حضرت شیخ ہی کے تحریک کے سرفروش جانثار تھے۔

علم وعشق کا وہ آفتاب جس نے تقریباً ایک صدی تک فضائے ہند کو منور رکھا خدا کے قانون کے موافق 1052ھ کو غروب ہوگیا۔

شیخ کی تصنیفات:

حضرت شیخ کی ساری زندگی تصنیف وتالیف ہی میں بسر ہوئی۔ کوئی علم اور فن ایسا نہیں جس میں حضرت محدث نے لکھا نہ ہو۔ آپ نے اپنی علمی زندگی میں ایک سو کے لگ بھگ کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے۔ جن میں سے ہر ایک علمی معیار کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپ کی کوئی تصنیف اور تالیف ایسی نہیں جس سے سنت اور شریعت کو تقویت نہ ملتی ہو۔

ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ:

”ماثبت بالسنہ“ حضرت شیخ نے عربی زبان میں تصنیف فرمائی۔ اس کا اسلوب اور ترتیب محدثانہ ہے۔ اس کتاب میں محرم شریف سے لے کر ذوالحجہ تک جتنے بھی اہم ایام آتے ہیں ان کے فضائل بیان کئے گئے ہیں بلکہ فضائل ایام کے سلسہ میں ”ماثبت بالسنہ“ ام الکتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب کو صرف فضائل تک ہی محدود نہیں رکھا گیا بلکہ مختلف ایام کی مناسبت سے واقع ہونے والے حوادثات کا بیان بھی کیا گیا ہے مثلاً محرم شریف کے باب میں شہادت امام حسین کا ذکر ہے۔ اسی طرح عقیدت ومحبت کی بناء پر حضرت شیخ نے ربیع الاول شریف میں سیرت رسول مقبول ﷺ اور ربیع الثانی میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے احوال بھی لکھے ہیں۔ حضرت شیخ کی تصانیف کا محور کیونکہ ترویج سنت اور ردّ بدعات ہے اس لحاظ سے حضرت شیخ نے اس کتاب میں ان توہمات کی تردید بھی کی جو کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کا عقیدہ بن گئے تھے مثلاً محرم شریف کے باب میں آپ نے اس بات کی سختی سے تردید کی کہ عاشورہ کے دن غسل کرنے والا بیمار نہیں ہوتا یا اس دن سرمہ لگانے والے کی آنکھیں نہیں دکھتیں۔ اسی طرح صفرالمظفر کے نامسعود ہونے کا رد بھی کیا، البتہ صفر ہی کے ماہ میں بعض ایسی باتوں کا ذکر بھی کیا جو آج کے سائنسی دور میں قابل یقین سمجھی جاتیں۔

ماثبت بالسنہ کا اردو ترجمہ:

حضرت شیخ محقق کی اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کی سعادت بہت سے لوگوں کو میسر آئی ہے لیکن علامہ معین الدین نعیمی جنہیں حضرت محدث کے تحریری زرپاروں سے طبعی مناسبت اور ذوق شوق حاصل ہے، بہت سی حیثیات سے منفرد ہیں۔

ترجمہ ایک مشکل اور ثقیل فن ہے۔ خصوصاً وہ کتابیں جو محدثین کی طرز پر مرتب کی گئی ہوں انہیں کسی دوسری زبان میں خوش اسلوبی سے ڈھالنا بہت سی دقتیں رکھتا ہے۔ ”ماثبت بالسنہ“ جس کی ترتیب بنیادی طور پر فنی نوعیت کی ہے اس کا دلچسپ اور مفید ترجمہ قابل صد تحسین ہے۔

حضرت علامہ معین الدین نعیمی چونکہ منجھے ہوئے، بارسوخ اور علوم وفنون کے ماہر عالم تھے۔ یہی وجہ ہے ان کے کئے گئے ترجمہ میں بھی جا بجا عالمانہ وقار دیکھا جاسکتا ہے۔ حضرت علامہ نے چونکہ ترجمہ تھوڑا عرصہ پہلے کیا، اس اعتبار سے عصر حاضر کے مطابق شاید اس میں وہ روانی نہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ترجمہ میں شگفتگی اور نفاست نہیں اور پھر یہ کہ حضرت علامہ نے صرف ترجمہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ضرورت کے مطابق تشریح اور تمہیدی عبارات سے بھی کتاب کو مزین کیا جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ مدارج النبوت کی کامیاب ترجمانی کے بعد حضرت موصوف کی اس گراں بہا خدمات پر ہم دعا گو ہیں کہ اللہ انہیں اس کی بہتر جزا عطا فرمائے۔

ناسپاسی ہوگی اگر ہم مولانا عبد القادر صاحب ایم اے کا ذکر خیر کتاب کے مقدمہ میں نہ کریں۔ حضرت مولانا دینی کام کے سلسلہ میں صبح وشام ہمیشہ سرگرداں رہنے والے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تگ وتاز اور محنت وکاوش کو دیکھ کر تو بعض اوقات اپنی سستی اور جمود کے گھرے بادل بھی چھٹ جاتے ہیں اور "ماثبت بالسنہ"، "مسلمان کے شب وروز" کی صورت میں آپ ہی کی محنت اور کوششوں سے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر عوام الناس کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حبیب مکرم ﷺ کے دین کا سچا سپاہی بنادے۔

سید ریاض حسین شاہ

۱۷ دسمبر ۱۹۸۱ء، ادارہ تعلیمات اسلامیہ، راولپنڈی

☆☆☆☆☆

شاہد مقبول

بفضل اولاد رسول

مصنف

مفتی ملت شیخ سید شہاب الدین

ترجمہ

علامہ صارم ازہری

سبب تالیف

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیر نظر کتاب ایک ایسے صاحب نظر کی نگاہ سے گزری جو آل رسول سے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ آل رسول کے حقوق سے شناسا ہوں کیونکہ اس دور میں عام مسلمان ان باتوں سے بالکل نا آشنا ہیں اور آل رسول کا احترام نہ کرنے کی وجہ سے بہت سی نیکیوں سے محروم رہ جاتے ہیں، انجانے پن سے ان کی شان میں گستاخی کر بیٹھتے ہیں اور اپنے اعمال کو ضائع کرتے ہیں۔ ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو ایسے احکامات سے روشناس کرایا جائے۔ الحمد للہ کہ یہ کتاب ایک بڑے مشہور و مستند عالم کی لکھی ہوئی ہے اور اس ضرورت کو ہر طرح پورا کرتی ہے کیونکہ مصنف نے اس سلسلہ میں کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا، ہر بات کو قرآن وحدیث واقوال صحابہ وآثار بزرگاں سے ثابت کیا ہے اور ایسی تفصیلی روشنی ڈالی ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اس مضمون پر کسی قسم کی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ انہوں نے اس جماعت کو بے نقاب کیا ہے، جو اپنے مفاد کی خاطر عقائد باطلہ کے پرچار میں مصروف ہے۔ اس طبقہ کے افراد باتیں تو اسلام کی کرتے ہیں لیکن ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمان آہستہ آہستہ اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ قرآن، حدیث اور شعار اسلامیہ کے خلاف نفرت اور بے زاری کا اظہار کرنے والے بدطینت افراد نے اپنے مقاصد کی بر آوری کے لئے اور اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے جہاں کتاب وسنت کے خلاف شک وریب کا ایک طوفان اٹھایا وہاں خود حضور ﷺ آپ کے خاندان اور آپ کے صحابہ کے خلاف ہرزہ سرائیاں کیں۔ اہل بیت اطہار اور سادات کرام کے خلاف بے سروپا مواد جمع کر کے تحقیق وتنقید اور عالمگیر صداقتوں کا منہ چڑایا۔

دشمنان اہل بیت وسادات کرام نے تو حد ہی کر دی۔ محمود عباسی کی خلافت معاویہ، مولانا سلیمان کی سادات بنو امیہ، محمد دین بٹ کا رشید ابن رشید اور ابن تیمیہ کے ایک

رسالے کا ترجمہ ''حسین ؓ و یزید'' جیسی سینکڑوں ایسی کتابیں لکھی گئیں جن پر سوائے سر پیٹنے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

مشتے نمونہ از خروارے ایک عبارت ملاحظہ ہو:

ا: اہل بیت کے سلسلہ میں مسلمان افراط وتفریط میں مبتلا ہوگئے ہیں اور اعتقاد وعمل میں غلو سے کام لیتے ہیں چنانچہ ہزاروں بے بنیاد روایات اہل بیت اور واقعہ کربلا کو اہمیت دینے کی غرض سے گھڑ لی گئی ہیں۔

ب: امام حسین محض اپنی ذاتی عزت کے سوال پر شہید ہوئے۔

ج: امام حسین کا خیال غلط اور باطل تھا۔

د: یزید کے خلاف امام حسین کا اقدام بغاوت وخروج تھا۔

ر: صحابہ کرام نے یزید کی بیعت سے انکار کیا یہ ان کا شخصی اجتہاد تھا۔

(ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ اگست 1954ء)

ایسے سوقیانہ انداز سے لکھنے والوں کے بارے میں سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ

بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

عقائد باطلہ اور نظریات مذمومہ کی تکذیب کے لئے ہر دور میں علمائے حق صداقت کی مشعل جلا کر ایک جہان روشن کرتے رہے۔ ان کی محنت اور جانفشانی، تحقیق وتدقیق، جذبہ اور خلوص، بصیرت اور فہم، کاشانہ کفر پر برق خاطف بن کر گرتے رہے۔ شاتمان رسول نے جب بھی سر اٹھایا، دشمنان اہل بیت نے جب بھی دام تزویر بچھانے کی کوشش کی اہل حق آگے بڑھے اور ان کے کارہائے بے وقعت کا بروقت نوٹس لیا۔

اس دور میں بھی جب کچھ لوگ خارجی عناصر کی روش پر چلنے لگے تو اہل بیت کی عزت وتکریم اور ان سے عقیدت ومحبت ان کے دل میں کھٹکنے لگی اور وہ مقام سادات لوگوں کی نظروں میں کم کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔

علمائے اہل سنت نے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایسی سازش کو بے نقاب کیا اور بزرگان دین کو سب وشتم کا نشانہ بنانے والوں کی تحریروں کا محاسبہ کیا۔

ہمارے دور کے وہ علماء اور صلحاء جنہوں نے شجر اسلام پر تیشہ زنی کرنے والوں کے خلاف باقاعدہ نظریاتی اور عملی جہاد شروع کیا، ان میں مجاہد ملت شیخ ابو مسعود سید محمود شاہ محدث ہزاروی مدظلہ العالی کا نام نامی سرفہرست آتا ہے۔

حضرت شیخ موصوف پیدائش کے اعتبار سے ہزاروی اور شہرت کے لحاظ سے عالمی ہیں۔ نسباً آپ مشہدی کاظمی حسینی سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد حضرت علامہ پیر سید محبوب علی شاہ اور برادر حضرت علامہ عبد قاضی اپنے وقت کی جلیل القدر علمی شخصیتوں میں شامل ہوتے تھے۔

حضرت محدث ہزاروی کی زندگی کا مقصد افراد ملت کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا ہے اور انہیں منظم ملی زندگی کے فوائد سے آگاہ کرنا ہے۔ آپ کی قائم کردہ جمعیت حنفیہ قادریہ شب و روز اس مقصد کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

تھوڑے ہی عرصہ پہلے حضرت علامہ موصوف نے دنیائے اسلام کے دانشوروں کے سامنے غور وفکر کے لئے ”کلمة الاتحاد والجهاد“ کی صورت میں ایک منصوبہ پیش کیا ہے۔ آپ کا یہ خطبہ قومی زندگی کی تعمیر وتطہیر کے لئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔

بحالی خلافت اور شاتمان رسول ﷺ کی فتنہ پردازیوں کی تردید آپ کے مرغوب اور پسندیدہ موضوعات ہیں۔

اپنے مشن کی تکمیل اور دینی مقاصد کے حصول کے لئے آپ نے چالیس کے لگ بھگ مدارس قائم کئے، وہاں اپنے اسلاف کی شاندار روایات کے مطابق ایک اعلیٰ درجے کا کتب خانہ بھی اپنے گھر میں قائم کیا ہے جو تقریباً بارہ ہزار کتب پر مشتمل ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ ایک عظیم مصنف کی حیثیت سے بھی متعارف ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تین سو تک پہنچتی ہے۔ بعض خاص کتابوں کے نام یہ ہیں:

جامع الخیرات، الدولة القادریه، لسنیه، السیف المسلول، صحیفه تحقیقات ، رفیق محمود، نظام مقصود، تحقیق خیر، ذکر جمیل ، فتویٰ ذکر جھر، اربعین خواتین، اربعین نبویه، کتاب الذکر، جھاد، زاد محمود، محفل محبوب ، دین ایمان کی راکھی وغیرہ۔

اس علمی وجاہت وفضیلت کی مالک ہستی کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے لیکن بُرا ہو معاصرانہ چشمک کا جس نے بعض مدعیان علم وفضل کو ان کے فضل وکمال کے اعتراف ہی سے باز رکھا بلکہ وہ موصوف پر طرح طرح کے بے بنیاد الزامات تراشتے رہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات ان الزامات سے قطعی طور پر بری الذمہ ہے۔

یہ لوگ آپ کے بارے میں یہ مذموم پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ موصوف صحابہ کرام کی توہین کرتے ہیں، ”العیاذ باللہ“ حقیقت یہ ہے کہ یہ الزام اس مذہبی طبقے کی طرف سے عائد کیا جاتا ہے جو تحریف کلمات وروایات کے بڑے مرض میں مبتلا ہے اور معاصرانہ چشمک کا شکار ہے اور پھر ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

اس سلسلہ میں راقم الحروف کی گھنٹوں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے محفل ہوئی ہے بلکہ ایک مجلس میں تو آپ نے یہاں تک فرمادیا:

> ”میرے خلاف بعض لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ میں حضور ﷺ کی ایک ہی بیٹی کا قائل ہوں، اصل میں یہ لوگوں کا مجھ پر افترا ہے، میں سرکار دوعالم ﷺ کی چاروں صاحبزادیوں کو مانتا ہوں اور دو کا حضرت عثمان کے ساتھ عقد بھی تسلیم کرتا ہوں البتہ یہ تسلیم کر لینے کے باوجود دیگر قرائن کی بنا پر نکاح سیدہ فاطمہ مع غیر سید کی حرمت کا قائل ہوں“۔

ایک بار عصمت صحابہ کے بارے میں فرمایا:

> ”جس طرح سرکار دوعالم خودشان ربوبیت کا مظہر ہیں، اسی طرح آپ کے صحابہ

بھی بلند تخصیص رسالت کا شاہکار ہیں“۔

حضرت پیر محدث ہزاروی نے تھوڑے ہی عرصہ پہلے ایک اور عظیم کام شروع کرنے کا عزم کیا، وہ یہ کہ پرانے بزرگوں کی تصانیف کا اردو ترجمہ کروا کر شیدائیان اسلام تک پہنچایا جائے۔

اس سلسلہ کی پہلی کڑی ”رشفتہ الصادی من بحر فضائل النبی الهادی“ ہے اس کے مصنف سید ابی بکر بن شہاب الدین علوی شافعی حضرمی ہیں، جو نسباً سادات فاطمیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اور علامہ زینی ابن دخلان ایک ہی زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ ”رشفتہ الصادی“ پر مفتی مکہ علامہ زینی کی تقریظ بھی شامل ہے۔

کتاب کا موضوع جیسا کہ نام ہی سے پتہ چلتا ہے فضائل اہل بیت کا بیان ہے۔ کتاب ایک مقدمہ، نو ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ تاریخ طباعت کے سلسلہ میں صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب پہلی بار کب چھپی البتہ وہ نسخہ جو اس وقت میرے پیش نظر ہے وہ اگر پہلا ہی ہے تو اس کا سن طباعت 1303ھ بمطابق 1885ء ہے۔ مطبع اعلامیہ نے قاہرہ مصر میں اسے شائع کیا تھا۔

کتاب کے آخر میں جہاں علامہ احمد ابن زینی دخلان سید الجلیل محمد ابی الہدی بن حسن صیادی اور سید عبد العزیز عاصم بغدادی کی تقاریظ موجود ہیں، وہاں یہ بات بھی کتاب کو اور تقویت دیتی ہے کہ یہ لکھنے کے بعد مصنف نے مدینہ طیبہ پاک میں اسے ایک جم غفیر کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ انداز اتنا پر تاثیر تھا کہ لوگ سن سن کر رو رہے تھے۔

”رشفة الصادی“ ایک عرصہ سے ہندوستان میں نایاب تھی۔ حضرت پیر سید محمود شاہ مدظلہ العالی نے اسے پہلی بار نواب رام پور کے کتب خانہ میں دیکھا تھا اس کے بعد تقریباً چالیس سال تک کوشش بسیار کے باوجود نہ پا سکے۔ حضرت علامہ موصوف کا بیان ہے کہ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور پیر جماعت علی شاہ

جیسی شخصیتیں اس کتاب کی متلاشی رہیں۔

دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں۔ عزم راسخ ہو تو بڑے بڑے مشکل اور پیچیدہ مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ انسان اپنے نشتر تحقیق سے کائنات کا دل چیر سکتا ہے۔ ایک دن جب حضرت پیر سید محمود شاہ محدث ہزاروی بغداد شریف میں پیر پیراں حضرت سید عبد القادر جیلانی کے روضہ اقدس پر وہاں کے سجادہ نشین حضرت پیر سید محمد یوسف کے سامنے تشریف فرما تھے کہ خوشخبری ملی ”اس بار جو نہیں ملتا تھا مل جائے گا اور جو نہیں پاتے تھے پالو گے“۔

”رشفة الصادی“ کا نایاب نسخہ اسی سال حضرت پیر صاحب کے ہاتھ لگا اور مکہ معظمہ ہی میں آپ نے یہ عزم مصمم کر لیا کہ پاکستان جا کر اسے ضرور چھپواؤں گا۔

کتاب کا ترجمہ پہلے خود شروع کیا لیکن علالت و نقاہت نے کاوش و کاہش کے قابل نہ چھوڑا پھر ایک عرصہ تک آپ کسی ایسے شخص کی تلاش میں رہے جو آپ کے معیار کے مطابق یہ کام مکمل کر سکتا۔ انجام کار آپ کی نگاہ انتخاب مشہور ادیب اور مترجم جناب عبد الصمد صارم پر پڑی۔

صارم صاحب نے بھی کمال خلوص کے ساتھ یہ ذمہ داریاں اپنے سر لیں اور ”رشفة الصادی“ کا ترجمہ کیا۔ عبد الصمد صارم کا ترجمہ میں بالاستعاب تو نہ دیکھ سکا لیکن جہاں تک مطالعے کا موقع ملا ہے، میرا خیال ہے اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اہل ذوق کے لئے ترجمہ بڑی حد تک معیاری ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ ارباب علم و دانش علامہ ابی بکر حضرمی کی تصنیف، عبد الصمد صارم کا ترجمہ اور پیر ہزاروی کی تحریک کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہیں گے۔

خاکپائے علمائے اسلام

سید ریاض حسین شاہ کشنالوی۔ حال راولپنڈی

۲ شوال ۱۳۸۹ھ بمطابق ستمبر ۱۹۷۷ء بروز ہفتہ

زندہ خوشبوئیں

ترجمہ

من نفحات الخلود

مصنفہ

علامہ محمد صالح فرفود

مترجم

علامہ عبدالحکیم شرف قادری

کلمات تقدیم

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کارگہ حیات میں ہر لمحہ عروج وزوال کے انقلابی دائرے سمٹتے اور پھیلتے رہتے ہیں ۔۔۔۔۔ مظاہر فطرت کی نوعا نوعی ہر لحظہ جس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے بے تاب رہتی ہے ۔۔۔۔۔ ذرے جو نا قابل شکست وریخت سمجھے جایا کرتے تھے ان کا کلیجہ پھٹ کر طاقت اور قوت کے سربستہ رازوں کو منکشف کر رہا ہے ۔۔۔۔۔ نت نئی سے نئی حقیقتیں کھل رہی ہیں ۔۔۔۔۔ لطافتوں کی کرن کرن روشنیاں، روحوں کی تہوں میں کھب رہی ہیں ۔۔۔۔۔ ہر چیز تیز رفتاری کے لطیف مرکزوں پر اپنی سرعت سے متحرک نظر آ رہی ہے ۔۔۔۔۔ مادے حرارت بن رہے ہیں اور حرارتیں مادوں میں ڈھل رہی ہیں۔

کوئی نکتہ ایسا نہیں، جسے راز دروں کہا جا سکے ۔۔۔۔۔ کوئی زاویہ ایسا نہیں، جس میں جھانکا نہ جا سکے ۔۔۔۔۔ کوئی موقع ایسا نہیں، جس کی جستجو ممکن نہ ہو ۔۔۔۔۔ اور کوئی افق ایسا نہیں، جس کے تغیر پذیر رنگوں سے پیغام نہ لیا جا سکے ۔۔۔۔۔ ظاہر باطن ہو رہے ہیں اور باطن ظاہر کا روپ دھار رہے ہیں ۔۔۔۔۔ اول، آخر کو پانے کی فکر میں ہے ۔۔۔۔۔ اور آخر اول کی دہلیز پر سجدہ زن ہو رہا ہے۔

ایسے میں کبھی کبھی کوئی ذات اگر پردہ در پردہ ۔۔۔۔۔ حجاب در حجاب پیچیدگیوں میں گم نظر آتی ہے ۔۔۔۔۔ تو وہ محض حضرت انسان ہے ۔۔۔۔۔ یہ کیا ہے؟ ۔۔۔۔۔ اسے کیا کہئے؟ ۔۔۔۔۔ یہ کون ہے؟ ۔۔۔۔۔ اس میں شر ہے یا خیر؟ ۔۔۔۔۔ یہ بندہ عقل ہے یا پیکر عشق؟ ۔۔۔۔۔ اس کی حقیقت میں شعلہ نار مستور ہے یا شرارہ نور؟ ۔۔۔۔۔ اس کی ذات سے رحمتوں کے سوتے پھوٹتے ہیں یا زحمتوں کے طوفان اٹھتے ہیں؟ ۔۔۔۔۔ اسے ظالم وجہول کہا

جائے یا عادل و مجبور؟۔۔۔۔۔اس کے ارادوں میں تسخیر و تقدیر کا جلوہ دیکھا جائے یا اس کے اعمال میں انقلاب کا مشاہدہ کیا جائے؟۔۔۔۔۔اسے شئے غیر مذکور قرار دیا جائے یا وجہ تخلیق کائنات مانا جائے؟۔۔۔۔۔اس کی بوترابیوں سے فانی ہونے کا سبق سیکھا جائے یا اس کے جاری فیض کو دیکھ کر باقی ہونے کی غرق مستیاں حاصل کی جائیں؟۔۔۔۔۔اس کے دیدوں کی چمک میں حق و حقیقت کا نور ڈھونڈا جائے یا اس کی بد اعمالیوں میں سرکشی کی تاریکیاں ٹٹولی جائیں؟۔۔۔۔۔اس کی فاسقانہ روش پر اسے ہم نشین شیطان کہا جائے یا اس کی نیاز مندیوں پر اسے ہمرکاب کروبیاں قرار دیا جائے؟۔۔۔۔۔انسان کیا ہے؟۔۔۔۔۔اور انسانیت کیا ہے؟ ۔۔۔۔۔بقول حکیمے کہنا ہوگا ”اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے“۔

انسان کو اپنی حقیقت دیکھنے کے لئے ایک آئینہ نور چاہئے۔۔۔۔۔جس میں وہ دیکھتا جائے اور بنتا جائے۔۔۔۔۔دیکھتا جائے اور سنورتا جائے۔۔۔۔۔دیکھتا جائے اور ترقی وارتقاء کی منزلیں طے کرتا جائے۔۔۔۔۔دیکھتا جائے اور معیار حسن کے مطابق ڈھلتا جائے ۔۔۔۔۔ہمدردی دیکھنی ہو تو ہمدردی کا آئینہ۔۔۔۔۔ایثار ملاحظہ کرنا ہو تو ایثار کا آئینہ ۔۔۔۔۔معرفت جہاد مقصود ہو تو جہاد کا آئینہ۔۔۔۔۔غریب پروری کا جائزہ لینا ہو تو غریب پروری کا آئینہ۔۔۔۔۔ظاہر کے لئے ظاہر کے آئینے اور باطن کے لئے باطن کے آئینے۔

رہا یہ سوال کہ یہ آئینے کہاں تلاش کئے جائیں؟۔۔۔۔۔تو یاد رہے کہ انسانی محامد کا اعلیٰ ترین آئینہ جس میں معیار حسن قائم کیا جاسکے کوئی ایسا زندہ انسان ہی ہوسکتا ہے جس میں انا مراۃ جمال الحق۔۔۔۔۔کا نور منعکس ہو رہا ہو۔۔۔۔۔گویا زندہ و تابندہ، عظیم و جلیل اور روشن و تاباں شخصیتیں ہی ہوتی ہیں، جن کی صحبتیں اور توجہات کرم کی خوشبوئیں، مشام ہستی کو معطر کر دیتی ہیں۔۔۔۔۔ان کی باتیں روشنی بانٹتی ہیں۔۔۔۔۔ان کی دعوتیں بہار بندی کرتی ہیں۔۔۔۔۔اور ان کی سیرتیں رحمتوں کی رت گر ہوتی ہیں۔۔۔۔۔وہ تاریخ کے صفحوں میں ایسے نظر آتے ہیں جیسے کوئی نور کے تڑکے میں دھیرے دھیرے جنت کی طرف رواں دواں ہو

۔۔۔۔۔ وہ روحوں میں ایسے اتر جاتے ہیں جیسے شبنم شب تیرہ وتار کا کلیجہ چیر کر پھولوں کی پتیوں پر آ بیٹھتی ہو۔۔۔۔۔ ان کی محفلیں جیسے کوئی ستاروں کی بزم میں جا بیٹھے۔۔۔۔۔ وہ بولیں نہ بھی تو ان کا عمل انقلاب کے گیت گنگناتا ہے۔۔۔۔۔ وہ دیکھیں نہ بھی تو ان کے ذہن سے اٹھنے والے تخیل زندگی کی گزرگاہوں میں ہلچل پیدا کر دیتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ اس جہان فانی میں نظر نہ بھی آئیں تو ان کی مرقدوں کی مٹی زندگی کی سوغات تقسیم کرتی ہے۔۔۔۔۔ ان کی گدڑیوں کی دھول میں ہیروں کی چمک ہوتی ہے۔۔۔۔۔ ان کے فقر میں خسروی حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ اللہ اللہ! یہ مستیاں، اللہ اکبر! فقر غیور کی یہ بے نیازیاں، اللہ اعظم! سیرت و کردار کی یہ پاکیزگیاں! اس میں کیا شک ہے کہ ملکہ سبا کے تخت کو چشم زدن میں ادھر سے ادھر کر دینے والے کسی انسان کو پیار سے دیکھ لیں تو وہ کیا بنتا ہوگا۔۔۔۔۔ بنتا ہوگا؟ لیکن ان کی چشم مازاغ کی فراست و بصارت نے کیا کیا نہ بنایا؟

آج اگر کسی وجود میں نور و رحمت کے رنگ ملتے ہیں تو یہ انہی کی نگاہوں کا صدقہ ہے ۔۔۔۔۔ صدق حقیقت اور حقیقت صدق ہی ہے کہ یہی نوازے گئے اور نوازنے والے انسانیت کا اصل سرمایہ ہیں۔۔۔۔۔ آدمیت اسی وقت تعمیر سیرت کی معراج حاصل کرے گی جب اس کی منزل مقصود ان زندہ و پائندہ شخصیتوں کے نقوش راہ بن جائیں گے۔۔۔۔۔ بھاری بھرکم افکار ذہن کی غذا ہوا کرتے ہیں اور زندہ شخصیتیں کردار سازی کیا کرتی ہیں۔۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ الہامی ہدایت کا یہ مسلمہ دستور ہے کہ تورات ہوگی تو موسیٰ علیہ السلام نظر آئیں گے۔۔۔۔۔ انجیل ہوگی تو عیسیٰ علیہ السلام پر نظر پڑے گی۔۔۔۔۔ زبور زندگی کے تار چھیڑے گی تو داؤد علیہ السلام کی روح گیر آواز کان میں پڑے گی۔۔۔۔۔ قرآن ہوگا تو صاحب قرآن فرش تا عرش نور نوازیاں فرماتے دکھائی دیں گے۔۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ انسانوں کا اصلی وظیفہ حیات الفاظ و کلمات کا ورد نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ ان شخصیتوں کی جستجو ہے، جن کی صحبت نظری، اطاعت عملی اور توجہ روحانی سے جادہ حق کا سراغ مل جاتا ہے۔۔۔۔۔ زندگی میں شاید سب سے زیادہ مشکل مرحلہ یہی ہوتا ہے

۔۔۔۔ کہ کسی کیمیا نظر، جوالہ نور، بے تاب عشق، بندہ محبت، خوگر اخلاق، صاحب ادراک، معیار حق اور رشک بندگی شخص کی صحبت میسر آجائے۔

دم عارف نسیم صبحدم ہے
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

بڑی مشہور حقیقت ہے کہ اللہ والوں کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔۔۔۔ یاد رہے کہ یہ محض باتیں نہیں ہوتیں، جو رحمتوں کی گھنگھور گھٹاؤں سے آب صدق و عمل کشید کر لیتی ہیں۔۔۔۔ بلکہ زندہ و متحرک سیرتوں کی گنگناتی آبشاریں ہوتی ہیں جو رحمت بن کر گرتی ہیں۔۔۔۔ شخصیات کی قیود و حدود جب لطافت کی جوئے مست میں نہا لیتی ہیں تو پھر شخصیتیں نہیں رہتیں۔۔۔۔ وہ نور کے پیکر بن جاتے ہیں۔۔۔۔ جن سے ہر لحظہ نور ہی کی تاباں کرنیں پھوٹتی رہتی ہیں۔۔۔۔ خاک و خون اور قد و حد کی قید میں بند انسانوں کا اصلی عروج، ایسے ہی عظیم انسانوں کی دہلیز پر اطاعت و خدمت کی حاضری دینا ہوتا ہے۔

مفکرین کے ہاں یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ مذہب اور دین وہ سرسبز و شاداب اور تازہ و پائیدار درخت ہوتا ہے۔۔۔۔ جس کے اصول ثابت ہوں اور فروع متحرک ہوں۔۔۔۔ ایسی آئیڈیالوجی جس کے فروعات میں لچک اور اقدار میں استقلال نہ ہو۔۔۔۔ زمانے کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔۔۔۔ ان تسلیم شدہ حقائق کے مطابق استقلال اور لچکدار قوانین کے حسین مرقعے الفاظ نہیں ہو سکتے۔۔۔۔ بلکہ شخصیتیں ہو سکتی ہیں۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی اقدار مستقل اور متنوع ہوتی ہیں۔۔۔۔ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ جس دور میں تمدن اور تہذیب کے ان ثابت اور زبردست اصولوں کو توانا اور حرکی شخصیتیں میسر آتی ہیں تو ان کے اثرات بھی انقلابی دکھائی دیتے ہیں۔۔۔۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بزرگ کہتے ہیں کردار سازی اور تغیر

پذیر معاشروں میں تعمیری ٹھہراؤ پیدا کرنے کے لئے سیرت اور سوانح کا مطالعہ وقیع اثر رکھتا ہے۔۔۔۔۔ اور ان لوگوں کے تاریخی خاکے اور مرقعے بشریت کی تقدیر بدل سکتے ہیں جن کی زندگی کے خاکوں میں سیرت رسول اکرم ﷺ نے نیا رنگ بھرا ہو۔۔۔۔۔ اگر کوئی شخص دیانت سے اپنے آپ کو اٹھائے اور ان لوگوں کے درمیان جا کھڑا کرے جو حضور ﷺ نے تیار کئے ہیں۔۔۔۔۔ تو بلاشبہ وہ محسوس کرے گا کہ وہ دنیا میں نہیں، جنت میں کھڑا ہے۔۔۔۔۔ اور اس کے دائیں بائیں جو لوگ متحرک نظر آتے ہیں وہ انسان نہیں فرشتے ہیں۔۔۔۔۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اعمال کے نتیجوں میں جو جنت آباد ہوگی وہ مابعد الدنیا ملے گی۔۔۔۔۔ اور کردار و سیرت سے جو جنت تیار ہوتی ہے اسے مدینہ اور مکہ کی محمدی تہذیب میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔

انسانی معاشرت کے لئے بطور معیار ہمہ دم ایسے زندہ اور عظیم کرداروں کی ضرورت رہتی ہے جن میں عبودیت کا شعور نہایت گہرا ہو۔۔۔۔۔ جیسے ایک غلام کے اندر اپنے آقا کی مرضی میں ڈھل جانا رچا بسا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ایسے ہی وہ انسان معاشروں کی جان ہوتے ہیں جن کے ہاں ہر قول اور ہر عمل پر حب رسول اللہ ﷺ کی چھاپ لگی ہوتی ہے۔

یہی وہ لائق تکریم ہستیاں ہوتی ہیں جو انسانی قافلوں کے حقیقی رہنما ہونے کا استحقاق رکھتی ہیں۔ انہیں اگر ڈھونڈا جائے تو یہ علم کی مسندوں پر۔۔۔۔۔ ادب کے مرکزوں پر۔۔۔۔۔ ضرب وحرب کے میدانوں میں۔۔۔۔۔ قول وقانون کے بحث خانوں میں۔۔۔۔۔ کیف وحال کے زاویوں میں۔۔۔۔۔ قلم وقرطاس کے جہانوں میں۔۔۔۔۔ ہر جگہ مل سکتے ہیں۔۔۔۔۔ انہی سے زندہ افکار کی روشنی پھوٹتی ہے۔۔۔۔۔ یہی تعمیر حیات کی خوشبوئیں بکھیرتے ہیں۔۔۔۔۔ انہی سے جنت بداماں ماحول جنم لیتے ہیں۔۔۔۔۔ خود بھی مہر درخشاں کی طرح چمکتے ہیں۔۔۔۔۔ اور ان کی باتیں بھی ستاروں کی طرح جگمگاتی ہیں۔۔۔۔۔ یہ جب انسانی قافلوں کے دوش بدوش چل رہے ہوں تو ایسے لگتا ہے جیسے انسانی دنیا پر چاند اور سورج محو گردش ہیں۔۔۔۔۔ اور جب یہ پردہ فرما لیتے ہیں تو زمین آسمان بن جاتی ہے۔۔۔۔۔ ان کی قبریں اور

آرام گاہیں بھی فیض بانٹتی ہیں۔۔۔۔۔ پھر لوگ انہیں یاد کرتے ہیں۔۔۔۔۔ یاد رکھتے ہیں ۔۔۔۔۔ ان کے قصے اور واقعات، سیرت گری اور کردار سازی کا کام کرنے لگ جاتے ہیں۔۔۔۔۔ پھر تاریخ مرتب کی جاتی ہے۔۔۔۔۔ کالم تخلیق کیے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ ان کی عظمتوں کی خوشبو، حروف و الفاظ کی کلیوں میں لپیٹ کر، ادب کے پھول لگائے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اور پھر یہی ادب ہمیشہ رہنے والے گیتوں۔۔۔۔۔ ہمیشہ رہنے والے نغموں اور جیتی جاگتی کتابوں کی صورت میں انسانی خدمت پر کمر بستہ رہتا ہے۔

گذشتہ دور میں مختلف زبانوں کے اندر اس نوعیت کی خدمت ہوتی رہی ہے۔۔۔۔۔ ابن سعد سے لے کر واقدی تک۔۔۔۔۔ غزالی سے لے کر رازی تک۔۔۔۔۔ ابن رشد سے لے کر ابن حجر عسقلانی تک۔۔۔۔۔ ابن کثیر سے لے کر احمد بن حنبل تک۔۔۔۔۔ عبدالرحمٰن جامی سے محدث دہلوی تک۔۔۔۔۔ ہر بزرگ، ہر ادیب، ہر قلم کار اور ہر محقق زندگی کے صحراء سے ادب عالیہ کے موتی اکھٹے کرنے کے لئے زندہ انسانوں کا سراغ لگانے میں مصروف عمل رہا۔۔۔۔۔ سوانحی خاکے تخلیق کیے گئے۔۔۔۔۔ بکھرے موتی یکجا کیے گئے۔۔۔۔۔ اقوال زریں سے بساط ادب کو رونق بخشی گئی۔۔۔۔۔ جہاں حسن و ادب کی ان پر جمال کاوشوں اور حسن افروز کوششوں میں ایک کوشش علامہ فرفود کی ”من نفحات الخلود“ بھی ہے۔

”من نفحات الخلود“ عربی ادب کی ایک خوبصورت اور اثر و تاثیر سے لبریز کتاب ہے۔۔۔۔۔ مصنف کی زبان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جاحظ اور جمال الدین محمد بن مکرم اصفہانی کے وزن کا آدمی تھا۔۔۔۔۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا کہ فرفود فقراء اور درویش کی صحبت میں بیٹھنے والا شخص ہونے کے ناتے، اپنی تحقیق میں کوئی فضول چیز شامل نہیں ہونے دیتا۔۔۔۔۔ وہ اپنی زبان کو حیاء اور اسلامی تہذیب کے دائرے میں رکھتا ہے۔۔۔۔۔ اس کے قلم کی نوک سے صرف وہ واقعات ٹپکتے ہیں جن کا تعلق اسلامی اور روحانی تربیت سے ہوتا ہے۔۔۔۔۔ وہ بلا مقصد کوئی قول نقل نہیں کرتا۔۔۔۔۔ بلکہ یوں کہیے کہ فرفود قلم کے پیچھے نہیں بھاگتا، بلکہ قلم اس کے

پیچھے دوڑتا ہے۔۔۔۔۔اور فرفود کی دوڑ ایک ہی منزل کی طرف ہوتی ہے۔۔۔۔۔اور وہ ہے حب رسول مکرم ﷺ۔۔۔۔۔اس عظیم اور تقدیر بدل منزل تک رسائی کے لئے وہ اکیلا نہیں دوڑتا، بلکہ پورے انسانی کارواں کو ساتھ لے کر جانا چاہتا ہے۔۔۔۔۔یہیں سے فرفود کا کام تقدس کے دائروں میں داخل ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔اور اس کی کتاب کا ہر لفظ موتیوں کی طرح چمکنے لگ جاتا ہے۔

محمد صالح فرفود کی فکر ایک مصلح کی ہے، وہ جانتا ہے کہ تحریکوں کی جان نوجوان ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔اس لئے اس کی مخلصانہ کوششوں، اس کی بے تاب تحریروں اور اس کے حرارت مآب انشائیوں کا مرکز نوجوان ہی رہتے ہیں۔۔۔۔۔وہ انہیں اپنی آہ سحر سے بیدار کرنا چاہتا ہے ۔۔۔۔۔اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ان میں عقابی روح کارفرما ہو جائے۔۔۔۔۔بلاشبہ ”من نفحات الخلود“ کا ایک ایک لفظ ان جذبوں اور آہنگ میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔۔۔۔۔عظیم مصنف کی یہ عظیم کتاب ایک سو ستاسی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔۔۔۔۔اس کی زبان عربی اور لہجہ آفاقی ہے۔۔۔۔۔ضرورت تھی کہ فرفود کا پیغام اردو پڑھنے والے حلقہ میں بھی عام ہوتا۔۔۔۔۔لاہور کے ایک مرد خدا مست کی اچٹتی ہوئی نظر اس پر جا پڑی۔۔۔۔۔اور وہ اس خزانہ کو لے کر گوشہ تنہائی میں جا بیٹھا۔۔۔۔۔اور ”من نفحات الخلود“ کی زندہ خوشبو عربوں سے نکل کر اردو والوں میں بھی پھیلنے لگی۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی محض عربی دان ہی نہیں، واقعیت شناس بھی ہیں ۔۔۔۔۔صرف ترجمان ہی نہیں، حقیقت آگاہ بھی ہیں۔۔۔۔۔ان کا کوئی کام بھی درد کی گہرائی سے خالی نہیں ہوتا۔۔۔۔۔درسیات کی جانکاہ مشق سے تھکا ماندہ عالم دین۔۔۔۔۔حیرت ہوتی ہے کہ زندہ ذوق کی لذتوں سے بہرہ مند رہتا ہے۔۔۔۔۔قاضی مبارک، سلم، صدرا اور شمس بازغہ کی روح کش تقریروں کے جلاپے اور تڑاقے بھی اس کی آنکھوں سے محبت کے آنسو خشک نہیں کر سکتے۔۔۔۔۔وہ روتا بھی ہے اور رلاتا بھی ہے، تڑپتا بھی ہے اور تڑپاتا بھی ہے ۔۔۔۔۔لکھنا اس کا دھندہ نہیں، درد ہے۔۔۔۔۔وہ اپنے درد کے اظہار کے لئے اس کا قائل

نہیں رہتا کہ اپنا ہی گیت سناتا جائے۔۔۔۔۔جب کوئی میٹھا نغمہ کہیں سے بھی سنائی دیتا ہے تو وہ اس کی سروں اور لہروں کو عام کرنے کا مشتاق بن جاتا ہے۔

”من نفحات الخلود“ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی کی تصنیف نہیں۔۔۔۔۔لیکن پسند ضرور ہے۔۔۔۔۔کتاب کا انتخاب بذات خود مترجم کے پاکیزہ ذوق پر شاہد عادل ہے۔۔۔۔۔محمد عبدالحکیم شرف قادری چونکہ خود سینے میں سمندر سے کھلا اور بادلوں سے زیادہ فیاض دل رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ان کی زبان میں شیرینی۔۔۔۔۔مزاج میں انکسار۔۔۔۔۔طبیعت میں نیاز مندی۔۔۔۔۔پسند میں لطافت۔۔۔۔۔سوچ میں ژرف نگاہی۔۔۔۔۔اخلاق میں وسعت۔۔۔۔۔اور مہمان نوازی میں عربیت ہے۔۔۔۔۔اس لئے وہ اپنے ذوق کا سفر تحقیق و تصنیف میں بھی جاری رکھتے ہیں۔۔۔۔۔”من نفحات الخلود“ دراصل شرف بھائی کا خوبصورت صفاتی آئینہ ہے۔۔۔۔۔آئینہ، جس میں آپ محمد عبدالحکیم شرف قادری کو چلتا پھرتا دیکھ سکتے ہیں۔

البتہ! ایک بات بڑی عجیب ہے، محمد عبدالحکیم شرف قادری کی تاریخی چھیڑ چھاڑ۔۔۔۔۔اعتقادی بحث و کرید۔۔۔۔۔نظریاتی آہنگ و تصلب ”من نفحات الخلود“ میں نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔اگر محمد عبدالحکیم شرف قادری نے اپنے رشحات قلم اور لمحات تحقیق کا رخ ہمہ گیر انسانی عنوانات کی طرف پھیر لیا۔۔۔۔۔تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ محققین کی اس صف میں بھی نمایاں مقام حاصل کر لیں گے۔۔۔۔۔جس میں غزالی اور حسن بصری قائد کی حیثیت سے کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔

دعا ہے اللہ جل مجدہ ”من نفحات الخلود“ کی خوشبوئیں عام فرمائے۔۔۔۔۔اور محمد عبدالحکیم شرف قادری سے دین مبین کی زیادہ سے زیادہ خدمت لے۔۔۔۔۔اور ان کی ہر سعی اور کوشش کو اپنے حبیب لبیب ﷺ کی بارگاہ میں قبول فرمائے۔۔۔۔۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

☆☆☆☆☆

منہاج الاحتیاط

فی

بیان حیلۃ الاسقاط

ازقلم

علامہ ابوالوفا مفتی سیف الرحمٰن قادری برکاتی

اظہار خیال

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس وقت آپ کے ہاتھوں میں جناب علامہ ابو الوفا مفتی سیف الرحمٰن قادری برکاتی خطیب پنیاں ہری پور ہزارہ کی کتاب "منہاج الاحتیاط فی بیان حیلۃ الاسقاط" ہے۔ زیر نظر کتاب ایک فقہی مسئلہ پر جو علمائے امت کے درمیان اختلافی نوعیت کا ہے سیر حاصل تبصرہ ہے۔ مواد، اسلوب تحریر اور تاثیر کے لحاظ سے کتاب کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"۔

منہاج الاحتیاط میں حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔ انسان جس طرح چال ڈھال، لب ولہجہ اور رنگ وصورت میں ہر دوسرے انسان سے مختلف واقع ہوا ہے بالکل اسی طرح باطنی جذبات اور صفات، عواطف اور میلانات کے اعتبار سے بھی ہر دوسرے انسان سے تضاد رکھتا ہے۔

فطرت کے اس اصول کے مطابق منہاج الاحتیاط کے مصنف سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن یہ امر واقع ہے کہ مولانا نے جس محنت جانفشانی، دقت نظر اور عرق ریزی سے سینکڑوں کتابوں سے حیلہ اسقاط کے جواز پر جو مواد ترتیب دیا ہے قابل صد تحسین ہے۔ قاری اگر آنکھوں سے تعصب اور ضد کی پٹی اتار کر اس کتاب کا مطالعہ کرے تو حیلہ اسقاط کے بارے میں ہر قسم کے شکوک وشبہات گوشہ ذہن سے نکل سکتے ہیں۔

کتاب کی زبان اگرچہ قدیم ہے لیکن موضوع کی لطافت اور دلائل کے حسن نے اس سادگی کے مرقع میں جمال اور دلکشی کا وہ رنگ بھر دیا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ یہ کتاب ہمیشہ پیش نظر رہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ جو ہر محفل ماتم میں ”حیلہ اسقاط“ کے عدم جواز کی بات چھیڑ کر امن اور سکون کی فضا کو اپنے بھونڈے سے فتووں سے مکدر کرتے ہیں، اور غم واندوہ کی سسکیاں بھرنے والے لوگوں کو شریعت کے نام پر اور مضطر کرنے کی جسارت کرتے ہیں انہیں اس کتاب کا مطالعہ خصوصیت کے ساتھ کرنا چاہئے اور اگر مسئلہ کی حیثیت جواز تسلیم کرنے میں کوئی قباحت سمجھیں تو کم از کم اسے بدعت کہنے سے باز آجائیں۔

بلاشبہ اس وقت جبکہ دنیائے کفر و باطل اسلام کی حقانیت اور کاملیت کو چیلنج کر رہی ہے۔ مسلمانوں کا فروعی اختلافات کے میدان میں جدال کا رویہ درست نہیں تاہم اختلافی مسائل پر محتاط انداز سے بہ نیت اصلاح و تعمیر کام کیا جائے تو غیر مناسب بھی نہیں بلکہ کافی حد تک یہ مفید بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

”منہاج الاحتیاط“ کے مصنف اس علمی کاوش پر مبارکباد کے مستحق ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ فقیہہ ملت حضرت علامہ قاضی عبدالسبحان کھلابٹ کا لائق فرزند اور ہونہار تلمیذ ہونے کی حیثیت سے ہمیں حضرت موصوف سے توقع بھی یہی تھی کہ وہ اپنے والد کے علمی، ادبی اور تعمیری مشن کو جاری رکھیں گے۔ اُمید ہے کہ قاضی آئندہ بھی اپنے رشحات قلم سے اہل ذوق کو سامان تسکین فراہم کرتے رہیں گے۔

سید ریاض حسین کنٹالوی عفی عنہ
ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی
3۔ محرم الحرام 1400ھ

نور الحبیب

فقیہ اعظم نمبر

حسن نظر

از

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ لوگ جن کے قبضہ کار میں ”لوح اور قلم“ تقدیر بن کر رحمتوں کی روشنیاں بکھیریں اور روشنیوں کی رحمتیں برسائیں، سعادت مند ہوتے ہیں لیکن اس سعادت تک رسائی ستاروں پر کمند ڈالنے سے کم مشکل نہیں ہوتی، راتوں کو رخش بری کی سواری دینی پڑتی ہے اور دنوں کے پاؤں میں جہد مسلسل کی بیڑیاں ڈالنا پڑتی ہیں اور پھر یہ بار گراں اپنی ثقالت اور وزن میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ جب کسی ایسے عنوان پر لکھنا پڑ جائے جس کے بارے میں معلومات ”ابجد“ سے بھی تجاوز نہ کرتی ہوں۔

حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے لیکن بدقسمتی کہ ہمارے لئے وہ گوہر نادیدہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ ایک موقع پر اپنے استاد محترم شیخ الحدیث والتفسیر مولانا احمد حسین سلطان پوری سے ہم نے شکوہ کرتے ہوئے عرض کی تھی کہ ہمارا دور جہالت اور دین فروشی میں ہر روز آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا ہے، اجتہادی صلاحیتیں رکھنے والے علماء اور نابغہ روزگار ہستیاں دنیا سے اٹھتی جا رہی ہیں، تو حضرت علیہ الرحمہ نے جواباً حضرت فقیہ اعظم اور شیخ القرآن عبد الغفور ہزاروی کا نام لے کر ارشاد فرمایا تھا کہ یہ لوگ ہمارے دور کے عبقری ہیں۔ اسی زمانے سے شوق تھا کہ حضرت فقیہ اعظم کی زیارت کا شرف حاصل کیا جائے لیکن مراد بر نہ آئی اور حضرت کا انتقال ہو گیا۔

علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ مشکل، پیچیدہ اور دشوار کام افتا نویسی کا سمجھا جاتا ہے۔ متماثل جزئیات سے اخذ احکام متفاوت احکام سے متباین ثمرات تک رسائی اور تھوڑے

فرق رکھنے والے احکام سے دور دور کے مسائل تک رسائی حاصل کر لینا ہر عالم اور ہر مدرس اور ہر فاضل کا کام نہیں ہوتا۔ اس عظیم کام کے لئے کچھ خاص لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ”تفقہ فی الدین“ کی دولت سے مالا مال کرتا ہے اور وہ تمام صلاحیتیں عطا فرما دیتا ہے جس سے ”علوم ومعارف“ کی حقیقت تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ ایشیائی ممالک میں مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے بعد جن لوگوں نے نہایت احتیاط، تقویٰ، رسوخ فی العلم اور عمیق فکر سے اس کام کو نبھایا ان میں حضرت فقیہ اعظم کا نام نہایت نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ کی تحریریں جامع اور مانع ہوتی ہیں۔ آپ کے فتوے ظرف نگاہی کی بہترین دلیلیں ہوتے ہیں۔ آپ کے رسالے عشق رسول کی بہاریں رکھتے ہیں۔ آپ کے فیصلے مدبر متقنین کی سوچوں کے حامل ہوتے ہیں۔ آپ کے رشحات قلم بتاتے ہیں کہ آپ فیصلہ کر کے دلائل اکٹھے کرنے کے قائل نہ تھے بلکہ دلائل دیکھ کر فیصلہ سنانے کے عادی تھے۔ اگر آپ کی زندگی میں ہمارے ملک کے اندر اسلام نافذ ہو جاتا تو یقیناً آپ کے فیضان کا سلسلہ وسیع ہو جاتا لیکن ایک معصوم خواہش اور تمنا ان کے دل میں رہ گئی اور وہ خود اس دنیا سے چل بسے۔ حضرت اپنی سوچوں کے لئے ایک بہترین محرک بھی تھے اور آپ کا یہ جذبہ لائق صد رشک ہے کہ وہ الفاظ سے جہاں تعمیر کرنے کے قائل نہ تھے بلکہ عمل اور حرکت کے میدان میں ”نظام مصطفیٰ“ کا فیضان دیکھنا چاہتے تھے۔ اللہ ہم سب کو ان کی نیکیاں اور صالحات اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

مسئلہ

سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ جائز نہیں

تالیف

حضرت علامہ جی اے حق چشتی

تقدیم

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام دین حق ہے اور زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں یہ رہنمائی نہ کرتا ہو۔ سیاست سے لے کر اقتصاد اور اخلاق سے لے کر معاشرت تک انسانی تربیت، فیضان رسی اور بقاء وارتقاء کے اس کے اپنے اصول ہیں۔ اسلام اپنے مزاج میں کسی تراشیدہ فکر، ذہن اور خودساختہ مذہب کا تابع نہیں۔ اسے الہامی دین Divine Religion ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے تشریحاتی اصول وفروغ کو سمجھنے کے لئے ان حکمتوں کا جاننا ضروری ہوگا، جو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علیٰ وجہ الاختصاص عطا کی گئی ہوں۔

نکاح کا تعلق اسلامی معاشرت اور عائلی زندگی سے ہے۔ ظاہری معاملات کا کوئی ایسا عنوان جس کا تعلق بیک وقت انسانی ذات، ضرورت، منفعت اور معاشرہ سے ہو، اسے حالات اور افکار کے کسی مخصوص تناظر میں دیکھنا بذات خود نفسیاتی، ذہنی، خودساختہ اور ماحولیاتی دباؤ کے نتیجہ میں ہوگا۔ اس میں کیا شک ہے کہ دیگر معاشرتی اور عائلی عناوین کی طرح نکاح کے باب میں بھی قرآن وسنت کی تعلیمات اٹل ہیں۔ انہیں کسی خاص جہت سے کسی خاص مقصد کے لئے دیکھنا اسلامی تفقہ کے منافی ہے اور حلت اور حرمت کے فلسفہ سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے۔ کچھ عرصہ سے محسوس کیا جا رہا ہے کہ اخبارات وجرائد میں جہاں اور بہت مسائل پر غیر ضروری ابحاث اٹھانے کی مساعی غیر جمیلہ کا ایک سلسلہ شروع ہے، وہاں نکاح سیدہ مع غیر سید پر بھی نہایت گھٹیا اور سوقیانہ انداز میں گفتگو شروع ہے۔ اگرچہ سوچنے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ تیرہ چودہ صدیوں پر مشتمل ایک مدت مدید تک فقہاء وعلماء کا انداز اس مسئلہ میں محتاط سے بھی فائق حد تک ادب واحترام میں ڈوبا ہوا تھا لیکن عصر جدید میں جہاں اور بہت سی بدتمیزیاں بڑھی ہیں وہاں یہ بھی ہوا ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی ذات کے متعلق ہر چیز اور ہر نسبت پر شک وشبہ کی گرد ڈالنے کی

سعی بھی کی گئی ہے، خوارج پورے زور و شور سے اہل سنت کو اپنی لپیٹ میں لینے کی مذموم کوشش میں ہیں بلکہ یہاں تک کہ بہت سی باتیں جو معتزلہ کہا کرتے تھے، اب اہل سنت کے بعض علماء اپنا رہے ہیں۔

جہاں تک اس فقہی مسئلہ کا تعلق ہے اس پر بتوفیقہ تعالیٰ بہت سی کتابیں اور فتاویٰ پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے اور معاصرین میں سے نکاح سیدہ مع غیر سید کے جواز کا نظریہ رکھنے والے بہت سے علماء اور محققین سے ملاقات بھی ہوئی ہے۔ دراصل وہ لوگ ایک مفروضہ پروپیگنڈہ سے مرعوب ہیں کہ اگر اس کو اسلاف کی روش پر ناجائز ہی قرار دیا جائے تو لوگ برہمنیت سے تعبیر کریں گے، وہ سب سے زیادہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کا حوالہ دیتے ہوئے تقویٰ کے علاوہ کسی اور چیز کو معیار فضیلت تسلیم نہیں کرتے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

(الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے اللہ کے ہاں وہ سب سے زیادہ عزت والا ہے بے شک اللہ بہت جاننے والا اچھی طرح خبردار ہے“۔

یہ درست ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں قبائل سازی کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور معیار کرامت اور فضیلت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے لیکن آیہ کریمہ میں قطعاً کوئی ایسا قرینہ نہیں جس سے یہ سمجھ آئے کہ کسی شخص کو کسی دوسرے شخص پر فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔ مفہوم قرآن سے مساوات مستلزم نہیں بلکہ امتیاز اور تفرد مستلزم ہے البتہ تفرد اور امتیاز کا معیار تقویٰ ہے۔ بذات خود قبائل سازی کی علت تعارف قرار دی گئی اور تعارف جبھی ممکن ہوگا جب تفرد اور امتیاز

ہوگا۔ معنی یہ نکلا کہ کنبہ اور ہر قبیلہ کی عرضی حیثیت مسلمہ ہوگی اور اسے قانونی سطح پر تسلیم (admit) کرنا ہوگا البتہ تقویٰ و دیانت، کرامت و فضیلت کے حقیقی معیار ہوں گے۔ رسالتماب ﷺ کے زمانہ میں قریشی و ہاشمی ہونا، مہاجر اور انصار ہونا معروف ہیں بلکہ مال غنیمت تک کی تقسیم میں عرف و امتیاز کو قائم رکھا گیا اور ایسا کرنا خیانت نہیں، اس لئے کہ خیانت جب ہو کہ رسول اور غیر رسول کے دائرۂ اختیار میں برابری اور ہمسفری ہو جبکہ معاملہ یہ ہے کہ ایک آمر ہے اور دوسرا مامور، ایک مختار ہے اور دوسرا مجبور، ایک امام ہے اور دوسرا مقتدی، ایک منزل اور دوسرا مسافر اور ایک وسیلہ ہے اور دوسرا متوسل۔

ارشاد رب ذوالجلال ہے:

> وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب:۳۶)
>
> ”کسی ایمان والے مرد اور کسی ایمان والی عورت کے لیے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں فیصلہ فرما دے تو اس کے بعد بھی ان کے لیے اپنے معاملہ میں کچھ اختیار ہو اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی وہ یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا ہوا“۔

مال وراثت کی تقسیم میں تفاوت، قرب و بعد کا لحاظ، مقدار میں کمی بیشی، سادات پر زکوۃ کا حرام ہونا اور غرباء اُمت پر حلال ہونا کیا منصوص علیہ امور نہیں۔ اگر یہ سب کچھ ٹھیک ہے اور یقیناً ٹھیک ہے تو پھر کیا الہامی اور خدائی حکمتوں سے جنگ مول لینا حماقت نہیں اور یہ بھی کہ قرآن حکیم کی نصوص سے فقہاء کرام (jurists) نے اخذ احکام کے چار طریقے لکھے ہیں۔

1۔ عبارت النص

2۔ اشارہ النص

3۔ دلالۃ النص

4۔ اقتضاء النص

سوال یہ ہے یہ کہ محولہ آیہ کریمہ کس طریقہ پر حلت نکاح مبینہ مذکورہ ثابت ہوگی جبکہ چاروں نصوص کے اطلاق ونفاذ سے جو جو احکام ثابت ہو سکتے ہیں ان کی ترتیب یہ بنتی ہے۔

1۔ نسلی اور عصبیتی تفاخر ممنوع ہے۔

2۔ نسلی امتیاز کی بناء پر کسی کو حقیر جاننا درست نہیں۔

3۔ تعارفی مقاصد کے لئے کنبہ سازی اور قبائل آفرینی جائز ہے۔

4۔ قبائل اور اقوام کی تقسیم فطری عمل ہے۔

5۔ بعض انسانوں کو بعض انسانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

6۔ معیار فضیلت وکرامت تقویٰ ہے۔

7۔ نسبی امتیاز کی نفی قبل الایمان والتقویٰ ہے یا یہا الناس کا خطاب اس کا مصرح ہے وگرنہ خاندان مصطفیٰ کی فضیلت مسلمہ بھی ہے اور منصوص علیہ بھی۔

8۔ دائرہ انسانیت سے متعلق تمام افراد وطبقات کا باہمی تعارف وتناصر باعث برکت اور معاشرتی ضرورت ہے۔

9۔ انسان جنسی اعتبار سے مرد اور عورت کے باہمی تزوج سے پیدا ہوا۔ تخلیق انسانیت میں کوئی دوسری جنس شامل نہیں۔

10۔ تفرد اور امتیاز برا نہیں بلکہ اس کی بناء پر معاشرتی ناانصافی جرم ہے۔

11۔ حصول فضیلت کے لئے اکتساب بر وتقویٰ ضروری ہے۔

12۔ دائرہ انسانیت کے اندر ہر انسان حقوق اور فرائض میں مساوی ہے۔

13۔ اللہ تعالیٰ کی ذات علیم وخبیر ہے۔

قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ سے سینکڑوں احکام اخذ کئے جا سکتے ہیں، لیکن اسے عائلی

قانون کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اور اگر کوئی شخص مصر ہو کہ اس سے مناکحات کے اندر بطور قرینہ مدد لی جاسکتی ہے تو عرض یہ ہے کہ حلال اور حرام کا پیمانہ قرآن مجید کی ظاہری نصوص کی صورت میں موجود ہے۔ اخذ احکام کے اس اصولی معیار کو تاویل اور اقتضاء کی بنیاد پر توڑا نہیں جا سکتا اور پھر یہ کہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلاف میں کوئی بھی اس راہ نہیں چلا اور اگر کوئی دلیل ملتی بھی ہے تو فقہ کی کتابوں میں اس آیہ کریمہ میں ”کفات و ولایت“ ہی کے احکام نقل کئے گئے ہیں، جو مختلف خاندانوں اور قبیلوں کی امتیازی حیثیت پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ لوگ جنہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اکرم ﷺ میں رسوخ اور پختگی حاصل نہیں ہوتی اور عموماً عجلت اور جلد بازی کا شکار ہو کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ اسلام میں نسب اور کفو کی کوئی اہمیت نہیں، اس لئے کہ اسلام وہ آفاقی، ہمہ گیر اور حکیمانہ نظام ہے کہ اس میں رنگ و بو اور نسل و نسب کی تمیز ختم کر دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ سید و غیر سید کے ہونے نہ ہونے پر ایقان نہیں رکھتے۔

یہاں غور طلب مسئلہ یہ ہوگا کہ ”دعویٰ، مساوات“ کی حیثیت کیا ہے؟ فرائض میں مساوات؟ حقوق میں مساوات؟ تخصصات میں مساوات؟ منصب میں مساوات؟ یا تاریخ و تولید میں مساوات یا رنگ و کیف میں مساوات؟ ہمارے خیال میں یہ اہم موضوع فکر کے لئے اگر قرآن حکیم کے سامنے رکھا جائے تو نہایت دلچسپ صورت ہمارے سامنے آتی ہے۔ ”فرائض“ اور ”استعداد عمل“ کے اعتبار سے قرآن مجید نے نہایت عمدگی سے مساوات کی نفی کی ہے اور اپنا ابدی اٹل لابدی قانون عطا فرمایا:

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا

جب مختلف نفوس میں استعداد کار مختلف ہوگی تو لامحالہ عدم مساوات بین الناس مستلزم ہوگی اور اس کا لازمی اثر ادائیگی فرائض پر پڑے گا۔ مرد ہمہ دم نماز و روزہ ادا کرے گا اور عورت مہینہ کے خاص ایام میں رخصت پر ہوگی۔ یہاں اگر ہم یہ کہیں گے کہ ”عورت مرد“ برابر برابر ہیں تو برابری اور مساوات کی جہت قائم کرنی ہوگی۔ رنگ و نسل میں برابر ہیں یا کار استعداد اور ادائیگی

فرائض میں برابر ہیں۔ جہاں تک حقوق میں مساوات کا تعلق ہے تو یاد رہے کہ ”حق“ اپنی عرفی حیثیت میں ”تکمیل ضرورت“ کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ ضرورتیں اگر برابر نہیں ہو سکتیں تو حقوق میں برابری بھی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے ”حقوق“ کے حوالہ سے جہاں بھی رہنمائی فرمائی تو مساوات کا لفظ استعمال نہ فرمایا ”عدل“ کا لفظ استعمال فرمایا۔ عدل اور مساوات میں جو ”منافات“ ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مالیات میں اسلام کا قانون وراثت حصص میں جو فرق کرتا ہے، کیا اس سے حقوق میں عدم مساوات کا تصور اجاگر نہیں ہوتا؟ ایک مقام پر اللہ کریم نے صاف طور پر فرما دیا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ (الروم: ۲۲)

”اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق بھی ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کے اختلاف بے شک علم والوں کے لیے ان میں بھی نشانیاں موجود ہیں“۔

اس طرح ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا
رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ (النحل: ۷۵)

”اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے ایک مجبور غلام ہے جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور دوسرا شخص ایسا ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے خوب رزق عطا کر رکھا ہے تو وہ اس میں سے مخفی اور ظاہری طور پر خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہیں؟“

قرآن مجید نے مختلف اہلیتوں کے حاملین میں عدم مساوات کی طرف کس خوبصورتی کے ساتھ اشارہ فرمایا علم والے بے علم لوگوں کے برابر نہیں۔

ارشاد باری ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر:۹)

"کیا علم والے اور بے علم کبھی برابر ہو سکتے ہیں؟"

اب رہی یہ دلیل کہ ہم سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم کے بیٹوں میں کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ کیا اس کا یہی مطلب لیا جائے گا کہ نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں (معاذ اللہ)، مومن اور غیر مومن میں کوئی تفرد نہیں، متقی اور فاسق میں کوئی امتیاز نہیں، مرد اور عورت میں کوئی اختلاف نہیں، ماں اور بیٹا برابر ہیں۔ میرے خیال میں ماں بیٹا اور باپ بیٹی اور بہن بھائی سب آدم ہی کی اولاد ہوتے ہیں آدم کا بیٹا ہونے سے مناکحات کا قانون وضع کرنا کیا جہالت اور حماقت نہیں؟

قرابت خاصہ، نکاحی رشتہ، رضاعت، جمع، ملک، کفو اور آزاد عورت پر باندی کا نکاح، یہ وہ سات اسباب ہیں جن کی بناء پر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ ان سب کی تفصیل صرف قرآن مجید نہیں بلکہ حدیث، فقہ اور سنت واثر میں موجود ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک حرام اور ناجائز میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے اور وہ کہیں تو کسی امر کے لئے حرام کا لفظ استعمال کرتے اور کہیں ناجائز کا، بلکہ ان کے نزدیک عدم جواز اور "لا یجوز" میں بھی فرق ہوتا ہے، اس کی تفصیل کے لئے عالمگیری، بحر الرائق، تاتار خانیہ، کتاب الام، مبسوط وغیرہ کتابیں دیکھی جائیں۔ ہمارے خیال میں نکاح سیدہ مع غیر سید کے لئے فقہاء کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

الاحوط ان یفتی بعدم جوازہ

اس مسئلہ پر جن بزرگوں نے تفصیل کے ساتھ اپنے رشحات قلم سے اہل محبت کو نوازا ان میں

قدوۃ الاولیاء اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محب النبی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ مولانا عبد الحی چشتی رحمۃ اللہ علیہ

پیر سید محمود شاہ ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم زادہ قاضی محمد اسرار الحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا غلام رسول کے اسماء سر فہرست ہیں۔

اگرچہ اصل صورت حال تو روز روشن کی طرح اظہر من الشمس ہے لیکن ہر زمانے میں کچھ مخصوص ذوق رکھنے والے احباب چھیڑ چھاڑ میں مصروف رہنا عبادت تصور کرتے ہیں۔ پچھلے کچھ دنوں میں اس قسم کی تحقیقات آفرینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سلسلہ ادب کو پھر سے تحریک دی گئی اس پر علامہ جی اے حق محمد نے یہ مختصر لیکن جامع رسالہ قلمبند فرما کر ایک قابل قدر کوشش فرمائی ہے۔

محترم جی اے حق برصغیر پاک و ہند کے معروف علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کے جد امجد حضرت الشیخ الجامع مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ پنجاب کے قصبے گمرالی تحصیل گجرات میں ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لکھووال اور چکوڑی شریف میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کانپور میں حضرت مولانا احمد حسن کانپوری اور رامپور میں حضرت مولانا فضل الحق رامپوری سے حاصل کی اور مدرسہ عالیہ رامپور سے باقاعدہ سند پائی۔ ۱۹۲۵ء میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کے بانی شیخ الجامعہ قرار پائے جہاں آپ کی شہرت کی وجہ سے سمرقند و بخارا اور انڈونیشیا و ملائیشیا جیسے دور دراز علاقوں سے تشنگان علم کھنچے چلے آئے۔ اس زمانہ میں جامعہ ازہر کے بعد جامعہ عباسیہ عالم اسلام کی دوسری یونیورسٹی تھی۔ ہر مسلک اور ہر مکتب فکر کے علماء آپ کی شاگردی پر ناز کرتے تھے۔ آپ نے سیدنا مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور حضرت قبلہ پیر صاحب آپ کو "بسطۃ فی العلم والجسم" فرمایا کرتے تھے۔ آستانہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف میں آپ کو امتیازی درجہ حاصل ہوا اور آپ نے خانوادہ مہر کے دونوں شاہزادگان یعنی قبلہ لالہ جی صاحب اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب کی تعلیم و تدریس کا شرف حاصل کیا۔ موجودہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کا ہال انہی کے نام سے موسوم ہو کر "غلام محمد ہال" کہلاتا ہے۔ آپ نے ۱۹۸۴ء میں وفات پائی اور بہاولپور میں آپ کا مزار پرانوار ہے۔ جناب جی اے حق کے والد گرامی مفتی بہاولپور حضرت علامہ محمد عبدالحئ چشتی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم حفظ

کر لینے کے بعد حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ دست حق پرست پر بیعت کرنے کا شرف پایا۔ اپنے والد ماجد حضرت الشیخ الجامع سے تعلیم پائی۔ حرم نبوی شریف میں حضرت شیخ عبدالباقی ایوبی سے اجازت حدیث کی سند حاصل کی۔ علامہ مولوی فاضل، منشی فاضل اور انگریزی میں بی اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ جامعہ نظامیہ لاہور میں حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی صاحب کے اصرار پر بطور شیخ الحدیث علمی و دینی خدمات سرانجام دیتے رہے ۱۹۸۲ء (ماہ ربیع الاول) میں وفات پائی اور دربار عالیہ غوثیہ گولڑہ شریف میں مدفون ہوئے۔ آپ کی علمی و دینی خدمات میں درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ آپ نے سماع بالمز امیر (قوالی) ایمان ابوطالب اور سیدہ کے غیر سید کے ساتھ نکاح کے عدم جواز پر کتابیں لکھیں نیز آپ نے حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ کے مکتوبات شریفہ بھی مرتب فرمائے۔ آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انگریز اور ہندو سامراج کے خلاف اس جہاد میں بہت کام کیا، ملی نظمیں لکھیں، آپ کی ایک نظم کا ایک شعر ہے:

تیرے لئے کافی ہے محمد کی غلامی
او برہمنی راج کے تحریک کے حامی

خود علامہ جی اے حق محمد صاحب 11 ستمبر 1949ء کو بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ برصغیر پاک و ہند کے ایک معزز اور منفرد علمی گھرانے کا علمی ماحول میسر آیا اور روحانی پاکیزگی بچپن ہی سے ان کے لاشعور سے شعور تک رچ بس گئی۔ اپنے والد ماجد حضرت مفتی حافظ محمد عبدالحیٔ چشتی سے تعلیم پائی اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے شہادت عالمیہ کے علاوہ درس نظامی، فاضل، فارسی، ایل ایل بی اور ایم اے اسلامیات کی ڈگریاں حاصل کیں۔ گلستان مہر کے یکتائے روزگار گل خنداں حضرت قبلہ بابو جی صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور باطنی تربیت کے مراحل طے کیے۔

فروری 1974ء میں اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام

آباد سے وابستہ ہوئے بیرون ملک بھی علمی دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ کثیر تعداد میں علمی مقالات اور مضامین شائع کیے۔ مختلف تحقیقی موضوعات پر قلم اٹھایا اس وقت تک دس کتابیں لکھ چکے ہیں جن میں سے پانچ چھپ چکی ہیں بقیہ زیر طبع ہیں۔

اس علمی مقالے کے مستند اور معتبر ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت قبلہ لالہ جی صاحب سجادہ نشین دربار عالیہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف نے اس مقالے کو پڑھا، پسند فرمایا اور منظور کیا اور حضرت کی اجازت سے اس کے آغاز میں حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ و ملفوظ اور دربار عالیہ میں مقیم علمائے دین کی طرف سے جاری فرمودہ چند فتاویٰ شامل اشاعت کیے گئے ہیں جس کی وجہ سے یہ مقالہ نہایت مستند اور جامع ہو گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

پیکر اعجاز

از

حضرت علامہ مولانا عبدالصبور بیگ

حسن تصدیق

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک مسلمان کی زندگی کا سرمایہ پیکر رحمت، جان دو عالم، فخر موجودات حضرت محمد ﷺ سے پیار اور محبت ہے۔ محبت یوں بھی بڑی عجیب چیز ہوتی ہے۔ اس کی اعجاز کاریوں سے کوئی ظالم ہی انکار کر سکتا ہے، لیکن یہی محبت جب جان دو عالم ﷺ کے حریم حسن میں جا کر ڈیرے ڈال دیتی ہے تو اس کے معجزے محض ماورائے عقل ہی نہیں رہتے بلکہ ماورائے کائنات ہونے کی منزل بھی پا لیتے ہیں۔ محبت ویسے بھی پابند حدود نہیں ہوتی چہ جائیکہ محبت رسول ﷺ کو حد و قد میں محصور کر دینے کا کوئی تصور کرے۔ محبت رلاتی بھی ہے اور ہنساتی بھی ہے۔ یہ کبھی محبّ کے ہونٹوں کو سی دیتی ہے اور کبھی اسے وہ نغمے، وہ گیت اور وہ ترانے سکھاتی ہے کہ بلاغتیں ایسے شاہکار ادب پر ناز کرتی ہیں اور جب حضور ﷺ کا پیار اور ان کی محبت، ان کی نعت بن جاتی ہے تو زندگی خود ہی ریاضت اور عبادت میں ڈھل جاتی ہے۔ وہ لوگ بڑے مقدس، بڑے مطہر، بڑے عظیم اور قابل فخر ہوتے ہیں جو حضور ﷺ کے تصور میں گم رہتے ہیں، ان کی باتیں کرتے ہیں، ان کے ذکر میں رحمت تلاش کرتے ہیں اور پھر خود ہی ان کے حسن میں نہیں ڈوبتے بلکہ سارے جہاں کو اس بحر حسن اور جنت جمال کی سیاحی کی دعوت دیتے ہیں۔

سرمایہ جاں ہیں شہِ ابرار کی باتیں
کس درجہ سکوں دیتی ہیں سرکار کی باتیں
جی چاہے کہ ہر آن کروں ذکر پیمبر
ہوتی رہیں کونین کے سردار کی باتیں

ذکر رسول ﷺ ویسے بھی مٹھاس رکھتا ہے لیکن جو جذب و جنون کی کیفیات تذکار رحمت کے لئے ربیع الاول میں پیدا ہوتی ہیں ان کا جواب نہیں۔۔۔۔۔۔ 8 ربیع الاول کی رنگ و نور میں نہائی ہوئی ایک رات تھی، گکھڑ منڈی کی ایک مسجد میں میلاد النبی ﷺ کے ایک جلسہ میں شرکت کے لئے

جانا ہوا۔ مسجد کے چوبارہ میں استراحت کے لئے داخل ہوا۔ پیر آفتاب صاحب چورہ شریف مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی۔ ان کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک روشن رو بزرگ کی زیارت سے پہلی بار مشرف ہوا۔ دھیمی دھیمی باتوں اور میٹھے میٹھے لہجے نے بہت متاثر کیا۔ اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، بولنے کہنے کی اداؤں سے محسوس کیا کہ روشنیوں سے ملتا جلتا کوئی انسان ہے۔۔۔۔۔۔ یہ بزرگ تھے علامہ عبدالصبور بیگ۔۔۔۔۔۔ حب رسول ﷺ، تذکار رسول ﷺ اور ثنائے رسول ﷺ نے ان کے بڑھاپے میں زلیخا کی جوانی کا سا اثر پیدا کر دیا تھا۔ بڑے غضب کا تھا وہ انسان جو اس زمانے میں بھی اندھیروں سے بچ بچ کر نکلتا تھا۔

علامہ صاحب نے اپنی تصنیف لطیف ”پیکر اعجاز“ مجھے تھمادی۔ میری سادگی کی انتہا کہ میں نے تحفہ سمجھا اور ایک ہی محفل میں پڑھ ڈالی لیکن بعد میں حضرت کا پیغام موصول ہوا کہ مجھے اس کتاب پر کچھ لکھنا ہے۔۔۔۔۔۔ توبہ اللہ۔۔۔۔۔۔ اللہ توبہ

اب اس سے بڑھ کے بھی معراج نارسائی کیا ہو
مجھے گلے سے لگائیں مگر سمجھ میں نہ آئیں

”پیکر اعجاز“ دراصل مصنف کے جذبوں کا ایمانی اعتراف، ادراک اور اظہار ہے۔ اس میں حضور اکرم ﷺ کے یاقوتی لبوں کی تعریف ہے، شگفتہ گالوں کا ذکر رحمت ہے، تاباں چہرے کا بیان عظمت ہے۔۔۔۔۔۔ درخشندہ پیشانی کی موج آور قسمیں ہیں۔۔۔۔۔۔ وسعت ماب چھاتی کی مداح سرائی ہے۔۔۔۔۔۔ عنبریں زلفوں کے حسین استعارے ہیں۔۔۔۔۔۔ حسین قول ہیں، جمیل بول ہیں۔۔۔۔۔۔ گداز لبوں کی عاشقانہ تصویریں ہیں اور پھول تصویروں کی رعنائیوں بھری تعبیریں ہیں۔۔۔۔۔۔ عظیم تر بات یہ ہے کہ درد پنہاں کی تفسیر اور تعبیر لکھتے ہوئے مصنف نے اپنی قلم اور اپنی زبان کی بجائے قرآن اور اصحاب رسول ﷺ کی زبان پر اعتماد کیا ہے اور ”پیکر اعجاز“ کی اصل عظمت یہی ہے۔

اللہ کرے مصنف کے رشحات قلم سے ایسی خوشبوئیں مزید بھی بکھیریں۔ راقم کو بھی ایک

لالچ ہے کہ علامہ صاحب اپنی دودھ راتوں اور چاند خلوتوں میں اسی فقیر پر تقصیر کی مغفرت کی بھی دعا دے دیں۔

☆☆☆☆☆

جمال ذکر

از

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

حرف اعزاز

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی کائنات ہر دور میں دیدۂ افلاک کا مرکز رہی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس میں شاہوں بادشاہوں اور محبوبوں معشوقوں کی ادائیں قدرے زیادہ جلوہ فگن رہیں اور یہ بھی کہ انسان خود "حسن" بھی ہے اور حسن کا مشتاق بھی، وہ قدیر و حفیظ کا پرتو نور بھی ہے اور کسی کی شان قدرت کا ہدف بھی۔ نقاش فطرت نے اس کی عجز مآب مٹی کو نور محبت میں گوندھا ہے، سو اب اس کا وجود مجسمہ حیرت ہے۔ خود خدا کی ذات تو ظن و وہم اور ادراک و احساس سے ماورئی ہے لیکن اسی کے اخلاق پر تخلیق دیا گیا یہ انسان خود بھی کم حیرت افزا نہیں۔ اسے کون سکھائے اور یہ کس سے سیکھے۔ اس کی آرزوؤں کے ہجوم میں، اس کی تڑپنوں کی دھوم میں، اس کے ارادوں کی تسخیر میں اور اس کی چاہتوں کی تصویر میں بڑے راز پوشیدہ ہیں۔ یہ محو پرواز ہو تو عرش اس کی راہ ہے۔ یہ گر جائے تو شرمندگی کی انتہا ہے، ابھرے تو ستارے روشن ہوں، بھٹکے تو جہنم کے شعلے بھبکیں۔ اصل میں اعتدال اس کی ضرورت ہے، توازن اس کی منزل ہے، بصارت اس کا سرمایہ ہے۔ یہ سب کچھ دینے کے لئے انبیاء کے نوری قافلے آئے اور میرے آقا حضور ﷺ کے تشریف لانے سے تو ارض و سما خدا کے نور سے جگمگا اٹھے۔ آپ ﷺ نے دم دم میں، نفس نفس میں، رواں رواں میں مطلوب حقیقی کی یادیں بھر دیں۔ کو بہ کو اس کے چرچے ہوئے، سو بہ سو اس کی معرفت کی مے بٹی، رنگ برنگ اسے پہچانا گیا، نوع بہ نوع اس کی یادیں عام ہوئیں، جنس بہ جنس اس کی جستجو بڑھی، نگر نگر اذانیں گونجیں، ڈگر ڈگر محبت مہکی، ریت کے ذرے اس کی معرفت کے آئینے بنے، سنگریزوں سے محبتوں کے سمندر دوڑے ہوا اور عاز کے آتش بلب جہاں نے بسیط کائنات کا گھونٹ بھر لیا دھڑکنیں "دل دریا سمندروں ڈونگے" کی نظیر ہو گئیں، عشق کی آگ کھانے والے فقیروں کی چیخوں سے آسمان لرز اٹھا، عرش کانپا۔ میرے حضور کا اعجاز دیکھو، مرے آقا

کا فیضان ملاحظہ ہو، ان کی چٹائی پر فروزاں خاکی ذرات کی روشنی میں آؤ، دیکھو اور پاؤ، لو خدائے واحد کے واحد محبوب ہو جاؤ۔ وہ تمہیں یاد سکھاتے ہیں، ذکر سکھاتے ہیں، محبت دیتے ہیں، محبت سکھلاتے ہیں۔ ان کا سبق، ان کا درس، ان کی آواز، ان کا تخاطب، سرمایہ انسانیت ہے۔ ہر وہ شخص جو ان کے مسلک کی بات کرے، ان کی ادائیں یاد کرائے، ان کے اللہ کی راہوں پر ڈالے وہ بڑا مقدس ہوتا ہے، بڑا محترم اور بڑا پیارا۔ اس وقت ایسا ہی ایک ”نور پارہ“ بے تاب نغمہ اور حسن محبوب کا ایک بے حجاب جلوہ میرے ہاتھ لگا ہے۔ ظفر اقبال نوری نے ”جمال ذکر“ کی صورت میں یادوں کا ایک چراغ روشن کیا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ تصنیف نہیں ذکر ہے، کتاب نہیں عبادت ہے، یہ محض شاعری ہوتی تو میں انیس کی زبان میں واویلا مچا دیتا:

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

لیکن یہ ایک دوسرا راستہ ہے۔ چراغ کہن کی تازہ کرن ہے، بہار صد گلزار کی خوشگوار سانس ہے، اس جنت میں کسے نہ آنے کی دعوت دوں۔

رہا معاملہ ظفر اقبال نوری کا اور میرا تو میں ”من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو“ کا مسلک نہیں اپناتا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے سے یہ پیمان لے رکھا ہے کہ انہوں نے میری ذات کا مطالعہ نہیں کرنا اور میں نے ان کا سراغ نہیں لگانا۔ ہم دونوں اور ہمارے ساتھیوں کی منزل ہمارے آقا ہیں اور ہمارے سب کچھ حضور ﷺ ہیں۔ ہم انہی کے لئے زندہ ہیں، ہم ان کا سکھایا ہوا سبق کبھی نہیں بھولیں گے۔

اللہ، اللہ

اللہ، اللہ

اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

اللہ ہمیں استقامت نصیب فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

علم مصطفیٰ

احمد رضا خاں قادری

مقدمہ

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"جینا" کیفیت بھی ہے، بعض اوقات تنگ وجود بھی ہے اور کبھی یہ ایمان اور ریاضت بھی ہو جاتا ہے۔ اس جہان رنگ و بو میں سچی بات یہ ہے جینا انہیں کا جینا ہے۔ جو دولت دنیا، مال منال اور رشتہ و پیوند ایسے بتان وہم وگمان کو پائے استغنا تلے روند کر حسن ازل کے شاہکار رحمت رسول اللہ ﷺ کے بن کر جیتے ہیں۔ ایسے دیوانگان عشق کے جینے کے انداز ہی نرالے، دلچسپ اور رحمت فروغ ہوتے ہیں۔ ان کی سوچوں کا ہمالہ اتنا بلند ہوتا ہے کہ دنیائے دوں کے غلام اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ان کا مسلک فکر بس یہی ہوتا ہے:

نیست از روم و عرب پیوند ما
نیست پابند نسب پیوند ما
دل ز محبوب حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

یہ وہ زینہ محبت ہے جس پر قدم رکھنا معراج حیات ہے۔ اس وظیفہ زندگی سے محروم بھی بہت لوگ ہیں اور اس سعادت سے بہرہ مند بھی بہت ہستیاں ہیں۔ اس محبت نگر کی جو خوشبو پا لیتا ہے۔ اس کی سوچوں، اس کے خیالات، اس کے فتاویٰ، اس کے اعمال اور اس کی تحقیقات، سب خوشی سے ایک زنجیر پہن لیتی ہیں ادب کی، احتیاط کی، حزم کی، ورع کی اور محبوب کی ذات میں کھوئے رہنے اور ڈوبے رہنے کی۔ احمد رضا پیار، محبت، احتیاط اور ادب کی راہوں میں چلنے والے ایک نوجوان ہیں۔ انہیں عالم یا محقق ہونے کا دعویٰ نہیں۔ اصل میں وہ حضور ﷺ کی زلف جنت گیر کے اسیر ہیں۔

آپ ﷺ کی شان میں کوئی فرد ہو یا مسلک، تنظیم ہو یا گروہ جب بے احتیاطی برتے تو احمد رضا غم وغصہ کی بجلی بن جاتے ہیں، چونکہ وہ کالج میں علوم اسلامی کے استاد بھی ہیں، اس لئے مطالعہ کرتے ہوئے ان مسالک سے خوب آگاہ رہتے ہیں، جن کے حصہ میں سوائے حضور ﷺ کی بے ادبی کے اور کچھ بھی نہیں آتا۔ اب بتایئے ایک ایسا شخص جس کی سوچ اور عقیدہ یہ ہو کہ:

نسخہ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

کبھی برداشت نہ کر سکتا کہ اس کے محبوب اور کائنات کے قائد ﷺ کی طرف کوئی بے علمی منسوب کرے۔ یہی مطالعہ دراصل احمد رضا کے کام اور کوششوں کے لئے مہمیز بن جاتا ہے۔ وہ حدیث کی درجنوں کتابیں پڑھتے جاتے ہیں اور جان جمال محمد ﷺ کے علم کے متعلق انہیں جو موتی اور جو پھول ملتا جاتا ہے اسے وہ اکٹھا کرتے چلے جاتے ہیں اور اس طرح علم رسالت مآب ﷺ پر دلائل اور احادیث کا ایک خوبصورت چمن کھل اٹھتا ہے۔ اب احمد رضا کی مرضی ہوتی ہے کہ ہر عاشق، ہر محب اور ہر جستجو رکھنے والا اس چمن میں آئے اور علم رسول ﷺ کی بو پائے۔

پروفیسر احمد رضا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا روشن چراغ بلاشبہ کئی لوگوں کی شمع کشتہ کو جلا سکتا ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس دمکتے اور دلگداز مجموعے کو پڑھا ہے۔ خیال ہے ایسا ادب ہی نوجوانوں کے لئے عقیدہ ساز، اخلاق آفرین اور سیرت آگاہ ثابت ہو سکتا ہے۔ امید ہے احمد رضا رشحات قلم سے نوجوانوں کو نوازتے رہیں گے، البتہ احمد رضا کے لئے باغوں کی مہک سے حلاوت مند ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ تخلیقی، علمی اور کردار ساز عنوانات پر جدالی انداز کی بجائے صوفیانہ محبت کا اسلوب غالب رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی محنتوں کو قبول فرمائے اور اگر کوئی غلطی ان سے سرزد ہوئی ہے تو اپنے حبیب لبیب ﷺ کے وسیلہ سے انہیں معاف فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

جمال مصطفیٰ ﷺ

علامہ سید از شاہ تراب الحق قادری

حسن تصدیق

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ و علی الہ واصحابہ اجمعین

حسن سے پیار رکھنا اور حسن کے لئے دلفگار رہنا زمینی چیز نہیں، آسمانی عطیہ ہے۔ ایسا عطیہ جو ہر زمانے اور ہر دور میں انسان کے مشترکہ سرمائے کی حیثیت سے ابھرا ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ زندگی کی انتہائی معراج اسی کے لئے اسی میں کھو جانا اور اس کی جستجو میں والہانہ رویوں کا روپ دھار لینا ہے۔ وہ انسان بڑا عظیم انسان ہوتا ہے جو حسن کی روشنیوں تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ حسن کا سرچشمہ آب حیات سے کم نہیں بلکہ آب حیات اعجاز حسن کی ایک کرن ہی تو ہے، عقل اور ادراک حسن ہی کے قاصد کی حیثیت رکھتے ہیں، ریاضت اور انقیاد حسن ہی کی زندہ خوشبوئیں ہیں، شعر و سخن حسن کے جلوؤں کو دیکھ کر غیر کو دیکھنا گناہ ہے۔

انبیاء اور اولیاء حسن کے پرتو بھی ہیں اور کوچہ حسن کے خوبرو مسافر بھی۔ تماشہ حسن پھولوں کی لطافت، ستاروں کی جھلملاہٹ، بہاروں کا بانکپن، چمنستانوں کی پھبن، گلزاروں کی دل آویزی، شمس و قمر کے اُجالوں، فضاؤں کے ہمک، آسمانوں کی پہنائیوں، آوازوں کے آہنگ، موسیقی کی دھن، بادلوں کی کڑک اور بجلیوں کی چمک دمک سب ہی میں دیکھا جاسکتا ہے لیکن حسن کی یہ لکیریں اور خطوط، جمال کی یہ ادائیں اور حدود اتنی مختصر ہیں کہ نگاہ عشق و مستی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتیں، خطرہ رہتا ہے کہ کہیں طور جل نہ جائے اور کعبہ کسی اور کا حسن دیکھ کر اسی کا طواف نہ کرنے لگ جائے۔ حسن ازل کا کامل پرتو صورت کے ساتھ سیرت کا بھی جگمگاتا پیکر ہو سکتا ہے۔ مذاہب عالم کا اجماع ہے کہ کائنات کن فکاں میں ایسا ملکوتی من موہنا محبوب صرف اور صرف، محض اور محض، عین اور عین اور بالکل اور کل نور مجسم اور مجسم رحمت حضرت محمد ﷺ ہیں۔

فکر کی کشود، جذبوں کی معراج، مذاہب کا مقصود، ادیان کی روح، عبادتوں کی اساس

آپ ﷺ کی ذات ہے۔ دانش، دین، فکر، فن اس وقت تک خلا میں رہتے ہیں جب تک ان کا موضوع اور مرکز میرے حضور ﷺ کی ذات نہ بن جائے۔ میرے نزدیک حسن کے رنگ، خوشبوؤں کے نغمات خلوص، بلندیاں اور ارجمندیاں، اُجالے اور روشنیاں، مستیاں اور کیفیات، اظہار اور نمود، سکوت اور خمود، اضمار اور استظہار سب میرے حضور ﷺ کی نعتیں ہیں۔

وہ شخص بہت بلند بخت اور ارفع نصیب ہوتا ہے جسے میرے حضور ﷺ کی نعت میسر آ جائے۔ لکھنے والے دب جاتے ہیں، جب تک ان کی تحریریں وضو کر کے میرے آقا کی نعت نہ کہیں۔ مورخ کوڑی کی قیمت نہیں رکھتے جب تک آقائے حسن کا طواف منشور حیات نہ بنا لیں، فن و ادب کے صفحات سیاہ رہتے ہیں جب تک ان میں میرے آقا کے حسن نعت کا چراغاں نہ ہو، سلاطین زمانہ کے منہ پر کوئی تھوکتا بھی نہیں جب تک وہ آقا کی دہلیز رحمت پر پڑی خاک کو سرمہ چشم بنانے کا عزم نہ رکھتے ہوں۔ عزتیں حضور سے ہیں، کرامتیں حضور کی ہیں، بخت نصیبی ان کی عطاؤں کا جوش ہے، ان کی نسبت سدرۃ المنتہیٰ کا عروج رکھتی ہے۔ ان کے خادم ملوک زماں ہیں، ان کے نوکر رشک دوراں ہیں۔

تیرا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغ دیدۂ افلاک ہے تو
تیرے صید زبوں فرشتہ و حور
کہ شاہنِ شہ لولاک ہے تو

شہ لولاک کے وہ عاشق جن کی رگ رگ اور رواں رواں میں محبت رسول ﷺ نے ڈیرہ جمایا۔ ان میں آشفتہ سر مجذوب بھی ہیں اور رقصاں بہ تن منصور بھی ہیں، دریدہ صدر سخن گو بھی ہیں اور فگار جگر ادیب بھی ہیں، صحرا نورد مسافر بھی ہیں اور جنوں خیز قلمکار بھی ہیں، خاکی بدن انسان بھی ہیں اور دودھ وجود حوریں بھی ہیں، شعلہ رنگ جنات بھی ہیں اور نور روپ فرشتے بھی ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں عشق رسول اور محبت رسول ﷺ کی دھوم مچائی ان میں سے

اکثر امام احمد رضا (رحمۃ اللہ علیہ) کے تلمیذ ہیں، ماننے والے ہیں اور ان سے عشق نبی سیکھنے والے ہیں۔ انہی قافلہ مستفیدین میں ایک نام سید شاہ تراب الحق قادری کا بھی ہے۔ شاہ تراب الحق قادری کا مسلک، مسلک عشق ہے، وہ بھی ذکر رسول ﷺ کو عبادت تصور کرتے ہیں اور اس ریاضت کے لئے ان کی سوچیں بھی یہ آہنگ رکھتی ہیں کہ

لفظ جب تک وضو نہیں کرتے
ہم تیری گفتگو نہیں کرتے

شاہ تراب الحق قادری بڑے عظیم آدمی ہیں، ان میں باعث کشش بڑی باتیں ہیں۔ رسیلے ہیں سجیلے ہیں، دبدبہ دار ہیں، طرحدار ہیں، سخن فہم ہیں، سخن شناس ہیں، ادیب ہیں خطیب ہیں، متین ہیں فہیم ہیں، علامہ ہیں فلامہ ہیں لیکن ان کے سارے رنگ پھیکے ہوتے اگر وہ حضور انور ﷺ کے عاشق نہ ہوتے۔ بات عشق کی چل نکلی تو ذہن میں رہے کہ عشق میں نسبت محبوب بڑی چیز ہوتی ہے۔ اس حوالے سے شاہ تراب الحق قادری کے سید ہونے اور آل رسول ہونے کا بھی بڑا خیال آیا۔

الحمدللہ!

شاہ جی نے اپنے آباؤ اجداد کی فکر و عشق میں ڈوبی ہوئی روایات کو اپنے زاویہ میں زندہ رکھا۔ آپ قومی اسمبلی کے ممبر بھی بنے لیکن اپنے تصلب فکری کو فراموش نہ کیا بلکہ سیاستدان عالم بھی ہو تو جبہ و دستار بھولتے بھولتے خدا اور رسول کو بھی بھول جاتا ہے۔ آپ پیری مریدی بھی کرتے ہیں لیکن آپ کے متصوفانہ خیالات پر قرون اولیٰ کے بزرگوں کا رنگ غالب دکھائی دیتا ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ کبھی ٹی وی کی اسکرین پر بھی دکھائی دیتے ہیں لیکن داڑھی، عمامہ اور لباس کی حدود بحمد اللہ سکڑتی نہیں، شاہ جی کا متاثر نہ ہونا اور اپنی تابدار خاندانی مذہبی اور روحانی اقدار اور روایات سے دوسروں کو متاثر کرنا باعث تحسین ہے۔ شاہ جی تسلی رکھیں کہ مذہب عشق خلا میں معلق رہنے والی چیز نہیں، اس کا اعتراف وقت کی آواز، قبر کا نور اور آخرت کی عزت ہوتی ہے۔

سید شاہ تراب الحق قادری بولتے بھی ہیں، کہتے بھی ہیں اور لکھتے بھی ہیں۔ آپ کی کتب ضیاء الحدیث، تصوف و طریقت اور فلاح دارین اپنی عظمت تسلیم کروا چکی ہیں، لیکن خیال ہے کہ آپ کی کتابوں میں جو مقام "جمال مصطفیٰ" کو حاصل ہے وہ کسی اور کتاب کو میسر نہیں۔ "جمال مصطفیٰ" میں دراصل بلا واسطہ آقا حضور ﷺ کے حسن کی لہر قاری کتاب کے دل اور روح میں جا اترتی ہے۔ مطالعہ کا وہ مرحلہ بڑا دلچسپ ہوتا ہے جب شاہ صاحب خاکی بدن انسان کو دہلیز جنت پر جا بٹھاتے ہیں جہاں اسے کتاب و سنت کے آئینہ میں حضور ﷺ کی زیارت ہونے لگتی ہے، وہ ان کے یاقوتی لبوں سے جھڑتے پھول دیکھتا ہے، وہ ان کی تابانی اور درخشندگی سے اپنا مقدر اُجالتا ہے، ان کی زلف جنت گیر کی خوشبو سے لے کر ان کی نگاہ ناز کے جلووں تک بہت کچھ بلکہ سب کچھ قاری کتاب بے نقاب و بے حجاب دیکھنے لگ جاتا ہے۔

اور پھر مناظر حسن کے جلوے صد آتشہ ہو جاتے ہیں جب شاہ جی حسن حق کی جستجو میں اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کے رکوع اور سجدے کتاب پڑھنے والے کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بحیثیت مصنف شاہ تراب الحق قادری یہاں پہنچ کر خود ہی اپنے سر پر کرامتوں کا ایک تاج رکھ لیتے ہیں جو یقیناً دیر تک لوگوں کے اشہب ذوق کو مہمیز لگاتا رہے گا۔ آیئے اب ہم آپ کو زحمت انتظار کی کلفتوں سے زیادہ دیر تک دوچار نہیں رکھنا چاہتے۔ جمال مصطفےٰ ﷺ پڑھیئے اور جمال مصطفےٰ ﷺ دیکھیئے اور جمال مصطفےٰ ﷺ کی خوشبو سے مشام ایمان کو معطر کیجیئے اور شاہ صاحب اور فقیر پر تقصیر کی مغفرت کے لئے دعا کیجیئے۔

اللہ ہم سب کو اپنے حبیب لبیب ﷺ کی محبتوں سے نوازے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

جمال فاقہ مستی

از

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

حسن تصدیق

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجبوری کے فاقے لاحق ہوں تو بہت لوگ صبر وثبات کا مظاہرہ کر لیتے ہیں، مصیبتیں اور تکلیفیں، مجبوریاں اور آلام، گریہ وزاری اور نالہ وفغاں سے تھوڑا ہی ٹل جاتی ہیں۔ وہ لوگ جو غم انسانیت میں خود بھوکا رہنا اور دوسروں کی آسائش اور سہولت کے لئے سوچنا اپنی عادت بنا لیتے ہیں، سعادت مندیاں راہ حیات میں گام گام ان کا استقبال کرتی ہیں۔ اسلام میں روزہ کا تصور مجبوری میں بھوکا رہنا نہیں بلکہ سب کچھ ہوتے ہوئے فاقہ مست بن کر اعلیٰ انسانی اقدار کو مضبوط اور مستحکم کرنا ہے۔

زندگی کی وہ گھڑیاں جب انسان جسمانی علائق سے وراء ہو کر روحانی اور انسانی بنیادوں پر سوچنا شروع کر دے، زندگی خود ہی اطمینان اور راحت کے پھول برسانے لگ جاتی ہے، حالات نیکیوں کی کلیاں ہو کر کھلنے لگ جاتے ہیں، چار سو انوار کے جلوے عام ہوتے ہیں اور مسرتوں کے غنچے رحمت ہو کر مسکراتے ہیں، روزہ یہ سب کچھ رکھتا ہے اور یہ سب کچھ دیتا ہے۔

دنیائے محبت میں فرہاد کی کوہ کنی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے لیکن میں سمجھتا نہیں کہ اس کی حیثیت ایک افسانہ سے زائد ہو اور افسانہ بھی ایسا جس میں تن جگر پھونک کر بھی محبوب توجہ سے نہیں نوازتا۔ اسلام ایک حقیقت ہے اور اس کے دامن میں حقیقتوں کے ان گنت پھول موجود ہیں، مسلمان خدا کو چاہتے ہیں اور اس میں ان کا بھوکا پیاسا رہنا محض داستان نہیں ایک اصل اور سچی حقیقت ہے۔ روزہ کے حوالے سے مسلمانوں کی اس خوئے محبت سے کون واقف نہیں اور پھر یہ بھی کہ اس راہ میں ان کا محبوب اور دوست جس کے لئے وہ خواہشات قربان کرتے ہیں، بھوکا پیاسا رہنا گوارا کرتے ہیں اور لذت دنیا سے منہ موڑ لیتے ہیں، ایسا نہیں کہ دست عطا سمیٹ لے اور نظر جان نواز بند کر لے۔ وہ روزہ رکھنے والوں کو انا اجزی بہ کی بہار بداماں نوید سناتا

ہے، گویا روزہ کیا ہے ذرے میں آفتاب کا پرتو اور ناہست میں ہست کا جلوہ اور ایک ایسی جزا کا مقدمہ جو کروڑوں جہاں لگا کر بھی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

رمضان روح وجاں کی کائنات میں محبت کی وہ اقلیم ہے جس میں مومن کی شوریدگی اور جنوں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ وہ ماسواء اللہ سے بے تعلق اور بے نیاز ہو کر غیریت کے تمام پردے چاک کر دیتا ہے۔ وہ اپنے شاہد حقیقی سے وصل آشنا ہونے کے لئے زندگی کی تمام لذتیں قربان کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بزرگوں کے نزدیک لذت آشنائی کے لئے روزہ سب سے بڑا ذریعہ وسیلہ ہے۔

رمضان اور روزہ کے معنوی فضائل وخصائل اور لطافتیں جاننے کے لئے ہم نے بہت سی کتابیں پڑھیں لیکن اس کے جمالیاتی مطالعہ کے لئے ہمیں ظفر اقبال نوری بہت یاد آئے۔ ظفر نوری کی طبعی ساخت اور فکری اپج حسن مآب ماحول کی تلاش میں رہتی ہے اور انہیں یہ سلیقہ بھی ہے کہ جمال کی باتیں اور کیفیتیں نرم وگداز قلم کے حوالے کیسے کی جاتی ہیں۔ وہ پھول دیکھ کر صرف لطف مند ہونے کے عادی نہیں بلکہ حسین پھولوں کا گلدستہ بنانے کی فکر رکھتے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ حسن دیکھ کر حسن تخلیق کرنا بہت مشکل کام ہے، لیکن نوری یہ سب کچھ نبھا لیتے ہیں۔ پچھلے دنوں ان کی نظر کہیں روزہ پر جا پڑی، ویسے تو روزہ کے تصور ہی سے جبیں عرق آلود ہو جاتی ہے لیکن ظفر بھائی نے ”جمال فاقہ مستی“ لکھ کر گویا اخروٹ توڑ کر مغز فراہمی کا فریضہ خوب نبھایا ہے، یہ الگ بات ہے کہ یہ نعمت نوجوانوں ہی تک محدود رکھنے کی کوشش کی ہے۔

جمال فاقہ مستی میں نے لفظ بہ لفظ پڑھی ہے اور بغیر کسی مبالغہ کے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ظفر نوری نے یہ رسالہ لکھ کر جمالیاتی ادب میں اضافہ کیا، امید ہے کہ وہ آئندہ بھی یہ حسن آرائی کرتے رہیں گے۔

☆☆☆☆☆